# حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت منتظم اعلیٰ

مصنف
محمد الیاس ہاشمی

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت منتظمِ اعلیٰ

مصنف

محمد الیاس ہاشمی

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11۔ داتا گنج بخش روڈ لاہور 042-37313885, 37070663

نام کتاب ------------ حضور نبی اکرم ﷺ بحیثیت منتظم اعلیٰ

مصنف ------------ محمد الیاس شاہ ہاشمی

صفحات ------------ ۲۱۶

اشاعت اول ------------ اگست 2014ء

تعداد ------------ 500

کمپوزنگ ------------ محمد قاسم شاہ ہاشمی

ناشر ------------ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور

کمپیوٹر کوڈ ------------ 1N0160

قیمت ------------ 250 روپے



## ملنے کے پتے

**مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد**

فون: 041-2626046

الحاج ڈاکٹر رضا محمد شاہ ہاشمی، محمد اسحاق شاہ ہاشمی، محمد اسماعیل شاہ ہاشمی

112/19.A ہاشمی ہاؤس واندھی آرائیاں والی میانوالی۔ فون نمبر 0301-4921200

محمد یونس شاہ ہاشمی (کاشانہ غوثیہ، غوث اعظم روڈ، شاہین ٹاؤن۔ میانوالی)

حافظ محمد ادریس شاہ ہاشمی (وارث روڈ لاہور۔ فون نمبر 0300-4496487)

محمد ہارون شاہ ہاشمی، محمد جمال شاہ ہاشمی

کھوکھر روڈ صدیقیہ کالونی لاہور۔ فون نمبر۔ 0333-4239057

زبیر حسین شاہ ہاشمی

ہاشمی سٹریٹ۔ مسلم بازار میانوالی۔ فون 0301-6353313

فیاض حسین شاہ ہاشمی

کرنل امان اللہ روڈ۔ بھارہ کہو۔ اسلام آباد۔ فون 0342-5244235

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# فہرست

# انتساب

کائنات انسانی کے سب سے اولیٰ وعظیم منتظم اعلیٰ
حضور نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم، ہادی عالم، قرار دل وجاں، روح ایماں،
حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات اقدس کے نام

کہ

جنکی بعثت نے کائنات انسانی کو کسی اور نبی کی بعثت سے بے نیاز کر دیا
اور جنکی تعلیمات وسیرت نے حقیقت آشنا کر دیا

اور

اپنے شفیع ومحترم اساتذہ کرام کے نام کہ جنہوں نے تعلیم وتعلم کی راہوں سے
متعارف کیا

اور

والدین کریمین کی محبتوں، شفقتوں اور عنایات کے نام کہ جنکی بھرپور شفقت
اور تربیت سے موجودہ مقام تک رسائی حاصل کی

# تقدیم

کسی بھی ملک، ریاست، ادارہ یا تنظیم میں منتظم کی حیثیت مرکزی اور بہت اہم ہوتی ہے۔ملک ریاست، ادارہ یا تنظیم کی فعالیت اور اسکے مقاصد کا حصول منتظم اعلیٰ کی شخصیت کا مرہون منت ہوتا ہے۔اگر منتظم اعلی پائے کی انتظامی صلاحیتیں، تدبر، فہم وفراست اور عقل وشعور ہوں گے تو وہ اس تنظیم کو قلیل عرصہ میں بام عروج تک پہنچا دے گا بصورت دیگر سالہا سال کی جدو جہد بھی کنارے لگتی نظر نہیں آئے گی۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرآن مجید کے الفاظ میں

انی جاعل فی الارض خلیفة　　　　میں زمین میں اپنا نائب بھیجنے والا ہوں

(البقرہ:30:2)

فرمانا، کر دراصل دنیا کے انتظام و انصرام کے لیے ایک منتظم اعلی بھیجنا تھا۔چنانچہ منتظمین کی اس کھیپ کے پہلے منتظم کی حیثیت سے حضرت آدم علیہ السلام کا چناؤ عمل میں آیا۔

انہیں پہلے جنت میں رکھ کر تعلیم وتربیت سے نوازا اور علم ادم الاسماء کلھا۔ (البقرہ:2:31) کی شکل میں معرفت وعلوم وفنون عطا فرما دیئے اور پھر اس کرہ ارض پر اپنا خلیفہ اور منتظم اعلی بنا کر بھیج دیا۔

یہ سلسلہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔حالات اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق منتظمین (انبیاء کرام علیہم السلام) تشریف لاتے رہے تا آنکہ اس سلسلے کے آخری منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔

تاریخی حقائق اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ قوموں کے عروج وزوال میں ان کے منتظم اعلیٰ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔

ذرا اس عرب معاشرے پر نظر دوڑائیں جو بعثت مصطفیٰ ﷺ سے قبل تھا۔بد نظمی، بد انتظامی، ناانصافی، ظلم و بربریت، لاقانونیت، جاہلیت، تشتت و افتراق اور گمراہی کا دور دورہ

تھا۔انسانیت کسی نجات دہندہ کی منتظر تھی۔

تاریخ نے دیکھا کہ ایک منتظم اعلیٰ نے اس عرب معاشرے کی کایا پلٹ کر رکھ دی صرف دس سال کے قلیل عرصے میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ جس نے ساری دنیا کو حیران کر کے رکھ دیا۔

یہ سب کیسے ممکن ہوا؟ یقیناً یہ اس منتظم اعلیٰ ﷺ کی اعلیٰ پائے کی انتظامی صلاحیتوں کا مظہر تھا۔آپ کی ساری حیات طیبہ منظم تھی اور آپ ﷺ نے ایسا نظام عطا فرمایا کہ چشم فلک جو صدیوں سے ظلم و ناانصافی کے نظام کو دیکھ رہی تھی عش عش کر اٹھی۔

کسی بھی ملک، مملکت، ادارہ یا تنظیم کی فعالیت کا اندازہ اس کے انتظامی معاملات سے لگایا جا سکتا ہے اور خاص کر کسی بھی سیاسی معاشی، معاشرتی اور اقتصادی حالت اور معیار کا اندازہ اس کی انتظامی حالت سے لگایا جا سکتا ہے اور اسکا ذمہ دار اسکا منتظم اعلیٰ ہوتا ہے۔

یہ موضوع اس حوالے سے اور بھی اہمیت اختیار کر چکا جاتا ہے کہ عالم اسلام بالعموم اور پاکستان بالخصوص اس وقت اسلامی قانون سے بالکل نابلد ہیں۔تقریباً تمام اسلامی ممالک میں انگریز کا قانون رائج ہے۔اس کے نتیجے میں تمام اسلامی ممالک اور پاکستان بالخصوص مسائل کا شکار ہیں۔معاشی، اقتصادی، معاشرتی وسیاسی حالات دگرگوں ہیں روز بروز ترقی کی بجائے تنزلی سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ایسے حالات میں بانیءِ اسلام کی زندگی سے رہنمائی لینا بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے چنانچہ ہمیں تمام غیر اسلامی قوانین سے صرف نظر کرتے ہوئے سیرت سے رہنمائی لے کر مصطفوی قانون کو اپنانا چاہیے تاکہ ہمارے تمام مسائل بطریق احسن حل ہو جائیں اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ٹھہریں جو ایک مومن کی زندگی کا مقصود اصلی ہے۔اس کتاب میں درج ذیل حوالوں سے گفتگو کی گئی ہے۔

عہد نبوی ﷺ سے قبل انتظامی حالا کا مختصر جائزہ،

عہد نبوی ﷺ میں انتظامی اصطلاحات کا جائزہ۔

عہد نبوی ﷺ کے تعلیمی، دفاعی، سفارتی، مذہبی، عائلی وعدالتی نظاموں کا مطالعہ اور اس کے مطالعہ کی روشنی میں ایک راہ عمل متعین کرنا۔

میں یہاں تشکر و امتنان کے پھول پیش کرتا ہوں اس بارگاہ عظیم میں جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا یا جو

وہ نہ جانتا تھا۔شکروہ نیاز مندی کی سوغاتیں اس ہستی کی نذر ہیں جسکی سیرت تمام عالم کے لیے ہدایت وفلاح ہے اور مجھ ناچیز کو جس انسان کامل کی سیرت سے خوشہ چینی کی توفیق نصیب ہوئی۔

استاذی المحترم جناب محمد نواز الازہری صاحب اور استاذی المحترم جناب محمد عباس نقشبندی صاحب کی خدمت میں نذرانہ تشکر پیش کرتا ہوں جنکی ہدایت و راہنمائی اور خصوصی توجہ سے میں ایک علمی و تحقیقی کام پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہوا۔

استاذی المحترم جناب محمد الیاس اعظمی صاحب (نگران شعبہ تحقیق و تدوین کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز دی منہاج یونیورسٹی لاہور) کا بھی خصوصی شکر گزار ہوں جنھوں نے فن تحریر اور تدوین کے حوالے سے راہنمائی فرمائی۔یہ کتاب ۲۰۰۸ء میں کمپوزنگ کے مراحل طے کر چکی تھی مگر مالی معاملات، منصبی مصروفیات اور تعلیمی و اصلاحی سرگرمیوں کی وجہ سے زیورِ طباعت سے مزین نہ ہو پائی۔اس سال ارادہ کیا کہ سالوں سے رکا ہوا یہ کام آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس ادنیٰ سے کاوش کو اپنی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں قبول فرمائے اور دعا ہے کہ ہم سب کو سیرت مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے، ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائے اور اپنی اور اپنے حبیب کریم ﷺ کی رضا سے نوازے۔آمین

محمد الیاس شاہ ہاشمی

ایم اے (عربی/اسلامیات/اردو)

فاضل درس نظامی، فاضل عربی

سینئر ٹیچر۔پاکستان سکول مسقط سلطنت عمان

جولائی 2014ء

باب اوّل

# نظم کیا ہے؟

نظم ونسق کی لغوی تحقیق:

☆۔ منیرالبعلبکی کے مطابق

1۔ نظم Managment

یدیر یدبر Manage

2۔ ادارہ Managment

تدبیر۔ ھیئۃ الادارہ

3۔ منتظم Manager

(ا) مدیر الشرکہ اوالموسسہ (کمپنی کا سربراہ اعظم)

(ب) القیم علی النفقہ فی منزل (گھر کے اخراجات کا نگران)

(ج) یتولاھا بحسن تدبیر و اقتصاد (حسن تدبر اور اعتدال کے ساتھ نگرانی سرانجام دینا) (المورد:555)

☆۔ المنجد میں ان الفاظ میں نظم کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| نظم نظما و نظاما | اللولوء ونحوہ | موتی پرونا، آراستہ کرنا، موزوں کرنا |
| الشئی الی الشئی | | کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنا |
| الامر | | برپا کرنا، قائم کرنا (المنجد:1667) |

☆. فیروزاللغات کے مطابق نظم (مونث) (عربی) رسم۔ لڑی، سلک، موزوں کلام/شعر (مذکر) بندوبست، انتظام (فیروزللغات:1366)

نظم
1.Poetry
2..Order , Arrangement , Dicipline (کتابستان ڈکشنری اردو سے انگلش:644)

☆. جمیل جالبی کے مطابق

نظم سے اسم فاعل منتظم یا ناظم (Administrator) آتا ہے اسکا معانی سربراہ، راہنمائی

کرنے والا، دیکھ بھال کرنے والا اور تقسیم کرنے والا ہے۔(قومی، انگریزی، اردو لغت:28)

☆ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق

Manage: (a) To be incharge of or make decisions in a business or an organization.

(b) To organize or deal with sth that one has or controls.

Manager: (1) A person who controls a business or similar organization.

اس طرح مختلف لغات سے نظم Administration یا Management نظم ونسق کے لیے Administration کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور اسکا معنی آراستہ کرنا، قائم کرنا، تدبیر کرنا، بندوبست کرنا اور حسن تدبیر سے کام لینا کے آتے ہیں۔نیز اس کے معانی Government of a country راج، حکمرانی، ملکی نظم ونسق، بندوبست، انتظام کرنا بھی ہیں۔

اسی سے منتظم یا Administrator ہے اسکا معنی ناظم، منتظم، کارکن، سربراہ کار، منصرم ہے۔(کرنٹ انگلش ڈکشنری:15)

اسی طرح منتظم (Manager or Administrator) کا مطلب ہوا

" کسی ملک، ادارہ یا تنظیم کا انتظام وانصرام سنبھالنے والا اور حسن تدبیر سے کام لینے والا"

انتظامیہ Administration یا Management کا مطلب Michael P.Barber کے مطابق

"Public Administration has been defined as "decision -making ,planning the work to be done, formulating objectives and goals,establishing and reviewing organization, directing and supervising employees exercising , controls and other functions performed by

government exectives and supervisors.(Public Administration:1)

☆۔ منتظم یاAdministrator کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"The word 'administrator' is derived from the latin word 'ministiar' which means to serve. In its common use , administrator means to manage the affair of , or to look after people."It consists in the systematized ordering of affairs and the calculated use of resourses, aimed at making those things happen which we want to happen simultaneously preventing developments that fall to square with our intention."(Public Aministration:3)

☆۔N. John Gerth کے مطابق

"انتظامیہ ایسا معاشرتی نظام ہے جو اپنے سامنے کم و بیش واضح اور مخصوص مقاصد رکھتا ہے جو تنظیم سے منسلک افراد کی وفاداری اور محبت کا تقاضا کرتا ہے اور جن کی مساعی جمیلہ کسی قائدانہ سربراہی میں باہم مربوط ہوتی ہیں۔(Preventine Medicine at Work:672)

☆۔A.Y.Willian کے مطابق انتظامیہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ورکروں کی کوششوں کو آپس میں مربوط کیا جاتا ہے اس میں ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس سے انسانی اوصاف کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔(Administration & People:252)

☆۔مرزا انجی محمد کے مطابق

"لفظ نظم و نسق Administration دراصل دو الفاظ AD اور Ministrator سے بنا ہے جنکا مطلب بالترتیب to اور Serve ہے یعنی خدمت کرنا"

فرانسیسی زبان میں اسکا مطلب ہے بوجھ اٹھانا۔

عربی زبان میں مراد موتیوں کو ایک ہار میں اس طرح پرونا کہ وہ خوبصورت نظر آئیں۔

نظم ونسق انتظام وانصرام کا مطلب ہے ترتیب، لڑی میں پرونا، سلیقہ
اور نسق کا مطلب ہے دستور یا طریقہ۔ گویا سلسلہ عمل کو دستور یا طریقے کے مطابق لڑی میں پرونے
منظم ومربوط کرنے کو نظم ونسق کہتے ہیں۔ (علم التعلیم:284)
پروفیسر چوہدری عبدالسلام کے مطابق
" کسی کام کو کرنے سے قبل اس کام کو سرانجام دینے کا طریق کار بنالینا Administration
کہلاتا ہے گویا جب بھی ہمیں کوئی کام کرنا مقصود ہو تو پہلے ہم ذہن میں اسکا خاکہ ترتیب دے لیتے
ہیں کہ اسکا م کو اس انداز میں کیا جائے۔ یہی طریق کار بندوبست یا اہتمام
Administration یا نظم ونسق کہلاتا ہے"۔ (علم التعلیم:227)
مولانا گوہر الرحمان کے مطابق
"انتظامیات سے مراد وہ عمومی ریاست ہے جو کہ دینی اور دنیوی امور میں نبی کی نیابت میں کام
کرتی ہے" (اسلامی ریاست:102)
اسلامی انتظامیہ وہ ہے جو نبی کی نیابت کے لیے دین اسلام کی حفاظت کرنے اور دنیا کا نظم ونسق
چلانے اور اسکی اصلاح کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔
اس طرح مذکورہ بالا تعریفات سے مفہوم یہی نکلا کہ
"انتظامی زندگی میں مادی اور انسانی وسائل کو اس طرح بروئے کار لانا کہ ایک منتظم کارکنوں کے
ساتھ ملکر اور ان کے ذریعے سے ادارہ، مملکت یا تنظیم کی سرگرمیوں کو اس انداز سے منظم ومرتب
کرے کہ اس سے ادارہ، مملکت یا تنظیم کے مقاصد کی تکمیل ہو"
لہٰذا خلاصتہً یہ بات سامنے آئی کہ Administration کا تعلق مقاصد (Aims) کے
حصول سے وابستہ ہے اس میں یہ بات مدنظر ہوتی ہے کہ ایک منتظم کارکنوں کے ساتھ ملکر یا
ان سے کام لیکر مختلف مادی وانسانی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ادارہ / ریاست کی
سرگرمیوں کو منظم اور مرتب کرنے کے لیے کس طرح سے جدوجہد کرتا ہے تا کہ اس ادارہ
/ ریاست کے مقاصد کی کماحقہ تکمیل وتحصیل ہو سکے۔

باب دوم

# آپ ﷺ سے قبل دنیا کی انتظامی وسیاسی حالت

آپ ﷺ کی بعثت سے قبل دو بڑی ریاستیں ایران اور روم موجود تھیں۔ دیگر بڑے علاقوں میں چین، ہندوستان اور خود عرب کے علاقہ جات شامل تھے۔ اب ذیل میں ہم اس وقت کی ریاستوں کی انتظامی و سیاسی حالت کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

## روم (ROME)

سلطنت روم کی تاریخ بہت طویل اور قدیم ہے اسے کئی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن مختصراً ہم دیکھتے ہیں کہ رومی شہنشاہیت کا آغاز جولیس سیزر (Julius Ceaser) سے ہوتا ہے جو کہ اپنے دور کا ایک مطلق العنان، آمر اور استبداد کا مظہر تھا۔ (تاریخ تہذیب عالم: 128)
چھٹی صدی عیسوی کے خاتمے یعنی کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چند سال بعد تک گبن زوال کے مطابق روم پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا۔ (Gibbon:752/2)
اگر سلطنت کے نظام اور اس کے نظریاتیت پر قائم ہونے کے حوالے سے دیکھا جائے تو

1۔ سلطنت کا اصل الاصول بادشاہت تھا۔ بادشاہ کے اختیارات غیر محدود تھے اور ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی عہدوں کا وہی منبع تھا۔ (بلنچلی: 383)

2۔ سلطنت روم کا تخیل اور نظریہ اگرچہ "فلاح و رفاہ عامہ" کے اصول پر مبنی تھا لیکن یہ اصول حرف خیالوں میں ہی تھا عملاً اسکا کوئی وجود نہ تھا۔ (بلنچلی: 389)

3۔ جولیس سیزر نے بھلی ماریس کی طرح مطلق العنان بادشاہی کی طرف قدم بڑھایا اس نے سینٹ کو توڑا تو نہیں لیکن ایسے اقدامات کیے کہ سینٹ اس کے تمام احکام ماننے پر مجبور ہو گئی بعد میں (Octavion) کی تو پوجا بھی شروع کر دی گئی تھی۔ (سیرت الرسول: 531/4)

4۔ رومی شہنشاہ کو کلیسا کی بھی حمایت حاصل تھی اس وجہ سے لوگوں کا یہ عقیدہ پختہ ہو گیا تھا کہ رومی شہنشاہیت عطیہ خداوندی ہے تاکہ اسکی حکومت تمام دنیا پر ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔ (L.W.Gettles Histroy Of Pulitical Thought:94)

البتہ جب ہم زمانہ وسطیٰ میں بحیثیت مجموعی پورے یورپ کے افکار سیاسی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ

1۔ بنیادی طور پر ازمنہ وسطیٰ میں کوئی خاص سیاسی فکر یا کوئی بڑا سیاسی فلسفی پورے یورپ میں

خصوصاً اور تمام دنیا میں عموماً ناپید نظر آتا ہے۔(ڈننگ ولیم/نظریات سیاسیہ 133:1)

2۔قرون وسطیٰ کے سیاسی نظریات اور ادارے نہ تو واقعی اور حقیقی حالت کے مطالعہ و تجزیہ پر مبنی تھے اور نہ کلیتاً ماضی کے تصورات و تجربات سے ماخوذ تھے۔ان میں سے کچھ یونانی اور رومی دنیا سے وراثتاً ملے تھے اور کچھ مابعد الطبیعاتی تصورات مذہبی سے مستنبط تھے۔(Lawrence:107)

3۔ازمنہ وسطیٰ کے افکار سیاسی کا سرمایہ غیر تاریخی، غیر سائنٹیفک، غیر منطقی، غیر تنقیدی اور مذہبی و تخیلاتی ہے جسکو تجربہ، تحقیق اور واقعہ سے قریب کا واسطہ نہ تھا۔تعلیم و تعلم محدود، نظریات و افکار تنگ نظری اور متعصبانہ مذہبی محدودیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تضاد و انتشار کا شکار تھے۔(تاریخ اندلس:64)

مذکورہ بالا صورت حال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلطنت روم مجموعی طور پر بد انتظامی کا شکار رہتی تھی کبھی کبھار اگر اچھا منتظم مل جاتا تھا تو یہ شاذ و نادر میں آتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت روم تو بدانتظامی کا شکار تھی ہی اس کے باسی بھی باہم تضاد اور انتشارات میں گھر ہوئے تھے۔واضح نظریہ حیات نہ تھا لوگ کسی حد تک محکومی کی زندگی گزار رہے تھے۔

بقول ڈاکٹر محمد طاہر القادری

"مختصر یہ کہ ایک اندھیرا تھا جو ایوان اقتدار کی چکا چوند مصنوعی روشنیوں کی کوکھ سے جنم لیکر حیات انسانی کے ہر ہر گوشے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ایک ظلم تھا جو محلات کی غلام گردشوں میں پرورش پاتا۔ایک قہر تھا جو استحصال کی شکل میں عوام پر ٹوٹتا"۔(سیرت الرسول:539/4)

## فارس (Iran)

اسوقت کی دوسری بڑی طاقت فارس (ایران) کی تھی۔فارس میں بھی روم کی طرح شخصی، موروثی اور مطلق العنان بادشاہت تھی اور اسی بادشاہت پر ہی ایران کے فکر و سیاست کی بنیاد تھی۔اگر ایک طرف حکمران یہ دعویٰ کرتے تھے کہ "ان کی رگوں میں خدائی خون ہے" تو دوسری طرف اہل فارس بھی انہیں اس نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا کہ وہ خدا ہیں۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر:150)

ملک و قوم پر حکمرانی کے لیے ایک خاص گھرانہ متعین تھا۔اہل فارس سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے

کے افراد تخت و تاج کے وارث اور ملک و سلطنت کے مالک ہو سکتے ہیں اسی لیے اگر کوئی سن رسیدہ شخص نہ ملتا تو کسی نابالغ بچے کو اپنا شہنشاہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے بلکہ اگر خاندان میں کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت کو ہی تاج شاہی پہنا دیتے۔ (ایضاً:150)

سلطنت فارس اگرچہ شخصی موروثی اور مطلق العنان تھی۔ بادشاہ اپنے حکم اور فیصلے میں آزاد تھا مگر متعدد تاریخی واقعات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہاں "عظماء فارس" پر مشتمل ایک نوع کی مجلس مشاورت بھی تھی جو اگرچہ درباری و شاہی خاندان کے افراد پر ہی مشتمل تھی۔

(شرح السیرۃ النبویہ ابن ہشام:64-65/1)

اس طرح چھٹی صدی عیسوی میں بالخصوص

1۔ بادشاہت اپنی تمام تر قباحتوں کے ساتھ انسانیت کے گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ ایران کا تاج شاہی بھی رعایا کے خون کے موتیوں سے چمک رہا تھا۔ (سیرت الرسول:463/4)

2۔ مجموعی طور پر سلطنت فارس رو بہ زوال تھی۔ نظام زندگی درہم برہم ہو چکا تھا۔ ظلم و تعدی اور جور و استبداد حکومت کا طرہ امتیاز بن چکا تھا۔ (سیرت الرسول:484/4)

3۔ سلطنت فارس کے انحطاط و زوال میں جن عوامل نے حصہ لیا اور اسکی سیاسی تنظیم و ادارت کو بڑی حد تک متاثر کیا ان میں سے ایک ایران کی معاشرتی و اخلاقی حالت ہے جسے تاریخ کے سیاسی مطالعہ میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (نقوش:22-26/5)

4۔ ایران کے اخلاقی زوال اور مذہبی انتشار کی تاریخ ابتداء سے شانہ بہ شانہ چل رہی تھی۔ ایران کے باشندے مظاہر پرست تھے۔ تمام اشیاء جو نفع بخش ہوتیں قابل پرستش تھیں ایسے میں زرتشت آیا اس نے توحید کا پیغام دیا۔ (سیرت الرسول:467/4)

5۔ اس مذہب کے بعد ایک مذہب مزدک نے ایجاد کیا جو عیش پرستی کا مذہب تھا۔ عیش پرستوں اور ہوس رانوں نے اس کو خوشی خوشی قبول کیا اور بہت جلد اس مذہب کو حکمران وقت قباد کی سرپرستی حاصل ہوگئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا ملک جنسی بحران کا شکار ہوگیا لیکن اہل فارس جلد ہی اس سے عاجز آگئے چنانچہ نوشیروان نے برسر اقتدار آتے ہی اس کے مذہب کے ایک لاکھ کے قریب پیروؤں کو قتل کروا ڈالا۔

6۔ان مذاہب کے علاوہ شاہ پرستی بھی ایک مذہب کی شکل اختیار کر چکی تھی۔(نقوش:22-26/5)
المختصر معاشرتی اور اخلاقی بد حالیوں نے سیاسی حالات کو ابتر کرنے میں موثر کردار ادا کیا اور ایرانی سیاست کی قبائے دراز کو کرم خوردہ کر دیا۔
المختصر ایران بھی مطلق العنانیت اور موروثی بادشاہت میں پھنسا ہوا تھا۔رعایا کی آزاد خیالی، بے راہ روی اور اخلاقی پستی کی بناء پر ایران کی حالت جانوروں کے باڑے کی سی تھی۔اخلاقی بد حالی معاشرتی و اقتصادی حالت پر بھی اثر انداز ہوئی۔یوں فارس بھی بد انتظامی کا شکار ہو کر روبہ زوال ہو گیا۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی سلطنت نے قلیل عرصے ہی میں ایران کو فتح کر لیا۔

## ہندوستان (India)

ہندوستان کی حالت فارس و روم کے مقابلے میں بھی انتہائی گئی گزری تھی یہاں پر تو لاکھوں کی تعداد میں معبودان باطلہ تھے اور ذات پات کے نظام میں انسانیت سسک سسک کر جی رہی تھی۔راجہ رعایا کے جان و مال اور تمام ملک کا سربراہ ہوتا جو چاہتا کرتا اسے کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔
مختصراً ہندوستان کے مطالعہ کو درج ذیل نکات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔
1۔اپنے انتہائی قدیم زمانے سے قرون وسطیٰ تک ہندوستان میں حاکمیت کا ایک ہی تصور ہمیشہ قائم رہا کہ راجہ ہی سیاسی تنظیم کا سربراہ، خدائی ارادہ کا مظہر، دیوتاؤں سے نسلی تعلق رکھنے والا اور اپنے ہم عصر فارسیوں کی طرح ہر قسم کی تنقید اور رائے زنی سے بالاتر ہوتا تھا۔
2۔ہندوستان میں ازمنہ قدیم سے عام طرز جہان بانی بادشاہت و ملوکیت رہا ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ بادشاہتیں بذریعہ انتخاب عمل میں آتی تھیں یا بذریعہ نامزدگی۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عام اصول، نامزدگی اور موروثیت ہی کا تھا اور بعض اوقات اگر انتخابی عمل نظر آتا ہے تو وہ محض نمائشی اور مصنوعی ہوتا تھا۔
3۔راجہ اگرچہ تمام انتظامی، عدالتی اور فوجی شعبوں کا مالک تھا لیکن تمام کاموں کو اکیلا انجام نہیں دے سکتا تھا اس لیے اس نے مشیروں کی ایک مجلس قائم کر رکھی تھی جو سے اہم امور میں مشورہ دیتی تھی اور اس کے کام میں ہاتھ بٹاتی تھی بلکہ ویدوں کے زمانے میں تو مقامی کونسل (سبھا) اور مرکزی کونسل (سمتا) کی بناء پر بادشاہ کے اختیارات نسبتاً محدود ہو گئے تھے۔ہاں ویدوں کے آخری

زمانے میں سمتا کا نام ونشان بالکل مٹ گیا تھا اس طرح ہرش کے عہد میں بھی راجہ فرمانروائے مطلق نہ تھا بلکہ اس کے اختیارات میں وزراء کا بھی عمل دخل تھا۔

4۔ ہندوستان میں اشرافیہ طرز (Aristocracy) کی فرمانروائی کا آغاز کم از کم شمالی حصہ میں تقریباً اسی زمانے میں ہوا جس زمانے میں کہ یونان میں ہوا تھا۔ یہ (اشرافی جمہوریتیں) بہرحال بادشاہت کے شانہ بہ شانہ قائم ہوئیں کیونکہ عام چلن بہر کیف بادشاہت ہی تھا۔

(History Of Mankind:160/2)

5۔ سیاسی اعتبار سے ہندوستان کی حالت بھی روم وایران سے کچھ کم خراب نہ تھی۔ پانچویں صدی عیسوی کے اختتام سے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز تک کا زمانہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ابتری اور گمنامی کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ (History Of India:177)

ایک اور مصنف کے بیان کے مطابق

"قرون وسطیٰ کے آخری حصہ پر ہندوستان کی ملکی حالت بہت قابل اطمینان نہ تھی چھوٹے چھوٹے راج بنتے تھے ہرش اور پل کیشی کے بعد تو ان کی سلطنتیں کئی حصوں میں قائم ہوگئی تھیں۔ سولنکی پال سین، پرتیہار، جادو، گوہل راٹھور اور متعدد خاندان اپنی اپنی ترقی میں کوشاں تھے اس لیے ہندوستان کی کوئی مجموعی طاقت نہ تھی۔ صدہا ریاستوں میں بٹ جانے کے باعث ملک کی طاقت بکھری ہوئی تھی۔ قومیت کا احساس بالکل نہ تھا۔ صرف وسط ہندوستان 9 ریاستوں میں منقسم تھا اور اسمتھ کے بقول سندھ آسام اور نیپال میں الگ الگ ریاستیں قائم تھیں۔ سینکڑوں ریاستیں قائم تھیں۔ لاکھوں معبود باطلہ کی پرستش ہوتی تھی۔ معاشرہ طبقات میں منقسم تھا غرض ساتویں صدی عیسوی کے آغاز تک کا زمانہ نہ گمنامی وابتری اور بدانتظامی کا زمانہ نظر آتا ہے۔

6۔ امراء اور مقتدر طبقہ۔ متوسط اور غلام تو خیر موجود ہی تھے اونچ نیچ کا فرق اور ذاتوں کی تقسیم اس پر مستزاد تھی۔ منوشاستر میں چار ذاتیں بیان کی گئی ہیں۔

1۔ برہمن یا مذہبی پیشوا
2۔ چھتری (کھشتری) لڑنے والے اور حکمران
3۔ ویش (تجارت وزرات پیشہ)

4۔ شودر جنکا کوئی خاص پیشہ نہ تھا جو دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے۔

مذکورہ بالا صورت حال سے ہندوستان کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کے مطابق ہندوستان میں سیاسی و مذہبی اور معاشی و معاشرتی انتشار عروج پر تھا۔(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر:64)

## چین (China)

چین کی تہذیب اور اسکا تمدن اتنا قدیم ہے کہ صحیح معنوں میں ابھی تک اس کے آغاز کا تعین نہیں ہوسکا چین کے تاریخی دور کی ابتدا جیسا کہ کہا جاتا ہے یاؤ(YAO) کے زمانے (۲۰۸۵ تا ۲۰۰۴ ق م ) سے ہوئی۔ اس کے بعد بتدریج شون(SHONE) ھیا(HAIA) شانگ (SHANG) اور اینگ(ANG) کے خاندان بر سر اقتدار آئے پھر طوائف الملو کی کا طویل دور شروع ہوا جو ھان (HAN) خاندان کی حکومت کے قیام تک جاری رہا۔ ھان کا پہلا فرمانروا کاؤ-ٹی (KAO-TI) تھا اسکے زمانے میں ملک کی علمی وسیاسی قوت نے فروغ پایا۔ اس خانوادے کو تیسری صدی عیسوی تک حکومت کا موقع ملا لیکن آغاز سے کچھ عرصہ بعد ہی ضعف اور انحطاط کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ خانہ جنگی، بغاوتیں اور دوسرے فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک فوجی سردار نے بغاوت کر کے 221ء میں اسکا خاتمہ کر دیا۔ اسکی وجہ سے اندرونی خلفشار اور افراتفری مزید بڑھ گئی۔ اور صورت حال اس حد تک خراب ہوگئی کہ چالیس سال سے زائد عرصہ تک تخت شاہی خالی رہا اور ملک میں کوئی حکومت قائم نہ ہوسکی۔ آخر کار 265ء میں خاندان شی چیہ (SHEE-CHEU) نے حالات پر قابو پالیا اور اقتدار پر متمکن ہوکر چھٹی صدی عیسوی تک فائز رہا۔ (چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج: 4)

بظاہر یہ حکومت کا ایک طویل عرصہ ہے لیکن در حقیقت چین کی تاریخ میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے کیونکہ ساڑھے تین سو سال کا یہ دور سخت انتشار و افتراق سے عبارت ہے۔

589ء میں سوئی (SUI) خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا تو کچھ مدت کے لیے حالات سدھر گئے مگر 618ء میں (یعنی ہجرت نبوی ﷺ سے چار سال پہلے ) سوئی خاندان کو تانگ (TAANG) خاندان کے لیے جگہ چھوڑنا پڑی۔ تانگ کا دور 618ء تا 906ء تک رہا۔

(Encyclopaedia Britannica :574/5)

الغرض روم و ایران اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ حکومتیں

شخصی، استبدادی، موروثی و خاندانی تھیں۔ بادشاہ ان کا فرمانروائے مطلق تھا۔ اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے۔ "اسے جو چاہے کرے" کا حق حاصل تھا لوگ اسے کہتے تھے " آپ ہی قوم کے مائی باپ ہیں" لیکن اوپر کے سیاسی جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اتنی سخت شاہ پرستی کے باوجود بعثت نبوی سے قبل چین میں سلطنت کو استحکام نصیب نہ ہو سکا۔ خانہ جنگیاں معمول بن چکی تھیں۔ بیرونی حملہ آوروں نے پورے نظام سیاست کو برباد کر رکھا تھا۔ (نقوش:5/30-29)

غرض چین بھی بدنظمی و بدانتظامی میں ہندوستان سے پیچھے نہ تھا۔ خاندانوں کی آپس میں لڑائیاں، خانہ جنگیاں، بے مقصدیت، طوائف الملوکی اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ رہی سہی کسر بیرونی حملہ آوروں نے نکال دی اور یوں چین بھی مجموعی طور پر بدانتظامی کا شکار تھا۔

## دوسرے ممالک (Other countries)

اب تک ہم جن ممالک کا جائزہ لے چکے ہیں اور تذکرہ کر چکے ہیں ان کے علاوہ دوسرے ممالک کے بارے میں معلومات اور تفصیلات نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ تاریخ نویسی کا زیادہ رواج نہ تھا دوسرا ملک بھی چھوٹے چھوٹے تھے یا جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مثلاً کمبوڈیا کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کھمیر خاندان کی حکومت تھی جو 600ء سے 1300ء تک قائم رہی۔

مصر کی تاریخ اگرچہ بہت قدیم ہے لیکن ملکہ قلوپطرہ کے انتقال 30 ق م کے بعد سے آغاز اسلام تک مصر کی حیثیت روم کے ایک صوبے کی رہی۔ یہی حالت حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور بعثت کے وقت تھی۔ قیصر روم کی طرف سے مقرر کردہ مصر کا گورنر اسکندریہ میں رہتا تھا۔ مقوقس بھی مصر کا ہی گورنر تھا جسے آپ ﷺ نے نامہ مبارک بھیجا تھا۔ حبشہ بھی اس وقت روم کے زیر اثر تھا یہاں کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا۔ (نقوش: 30/5)

اسپین کی سیاسی حالت بھی دیگر ممالک کی طرح ابتر تھی۔ وہ رومی حکومت کے زوال کے بعد سے وحشی اقوام کی گذرگاہ بن گیا تھا۔ یہاں پہلے گاتھ فرمانروا ہوئے پھر ونڈال آئے اور پھر دوبارہ گاتھ قوم کو حکمرانی ملی۔ (تاریخ اندلس:53)

جزائر برطانیہ میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ سے ایک سو سال قبل سیکسائن قبیلے اینگل سیکسن اور جوٹ جٹ لینڈ اور جرمنی کے شمالی علاقے سے آ کر انگلینڈ پر قابض ہو گئے تھے یہی قبیلے انگریزوں کے مورث اعلیٰ ہیں اور تاریخ میں اینگلو سیکسن کہلاتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت جزائر برطانیہ / متعدد آزاد ریاستوں میں منقسم تھے جن پر مختلف بادشاہ حکومت کرتے تھے رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت قبیلہ جوٹ کا فرمانروا ایتھلبرٹ تھا۔یہ 616ء میں مر گیا تو اینگل کے ایڈون نے اقتدار سنبھالا تاہم ملک میں نہ کوئی مرکزیت قائم ہو سکی اور نہ تہذیب وتمدن نے کوئی خاص ترقی کی۔پورے ملک میں سیاسی، اخلاقی وروحانی پستی تھی۔یورپ تمدن سے قطعاً ناآشنا تھا وحشی وغیر مہذب قبائل براعظم کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے۔شرق اور وسط ایشیاء کی دوسری قومیں بھی کافی بری حالت میں تھیں۔نہ کوئی علمی دولت ان کے پاس تھی نہ کوئی نظام سیاست۔فی الحقیقت یہ قومیں (مغل، ترک، جاپانی وغیرہ) اپنے عبوری دور میں تھیں۔وہ مغربی قومیں جو بالکل شمال مغرب میں آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کا شکار اور خونی جنگوں سے پیدا کی ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں ان ممالک میں اب تک تہذیب و تمدن کا سویرا طلوع نہ ہوا تھا۔(نقوش:31/5)

## عرب (Arab)

اب آخر میں سرزمین عرب پر نظر ڈالتے ہیں جسکا ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق ہے اور اس کا جائزہ لیے بغیر اسلامی ریاست کے ارتقاء ونشوونما کو نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

عرب کی تہذیب وتاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانی تاریخ پرانی ہے اس خطے کو امم سامیہ کا مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے عرب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ

(ا)۔عرب کا علاقہ ازمنہ قدیم سے تہذیب وثقافت کا گہوارہ رہا ہے اور اپنے ثقافتی اثرات اس نے دنیا کے دوسرے حصوں تک منتقل کیے ہیں۔

(ب)۔اہل عرب ابتدائے عہد تاریخ سے تمدن وحضارت اور حکومت وسلطنت سے واقف رہے ہیں اور ان میں سیاست کا واضح تصور اور شعور موجود رہا ہے شاید اسی لیے مارگولیتھ کا یہ قول بالکل

درست ہے کہ "کتبات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں منظم ریاستوں کا ایک سلسلہ نامعلوم زمانے سے چلا آرہا ہے"۔

(The relations between Arab's & Israilites prior to the first of islam:24)

مزید برآں وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے سے ایک منظم سیاسی تنظیم کی یادیں وابستہ ہیں۔ جو اپنی روایات ورسوم رکھتی ہیں اور جن کے پیچھے ایک تاریخ موجود ہے۔

(ج)۔عرب میں اگرچہ ریاستوں کا وجود قدیم ہے لیکن کسی زمانے میں بھی دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح کوئی ہمہ گیر ملک گیر اور متحدہ و منظم ریاست قائم نہیں ہوسکی۔ اور نہ ہی کبھی پورا عرب ایک پرچم تلے جمع ہوا۔ بہرصورت رفتہ رفتہ قدیم حکومتیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ البتہ ظہور اسلام سے قبل چند حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں باقی تھیں۔ مثلاً حیرہ اور عراق میں آل منذر کی موروثی حکومت تھی جو سلطنت فارس کے ماتحت تھی اور عرب و ایران کے درمیان ایک طفیلی ریاست (Buffer State) کی حیثیت سے قائم تھی آل منذر نے ساسانی دور میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی اسی توسط سے ساسانی خاندان نے عربوں پر اپنی برتری ثابت کی اور اسی کے ذریعے شام کے وسیع و شاداب علاقوں کو بار بار روندا۔ (نقوش:5/38-31)

2۔عرب کے شمال میں شام کی سرحد پر غسانیوں کی حکومت تھی جو مدت دراز سے چلی آرہی تھی اور یہ ریاست سلطنت روم کی باجگزار تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔

3۔بنو قضاعہ کی ایک اور حکومت بھی تھی جسکی باگ ڈور کلب بن ویرہ کے ہاتھ میں تھی مگر زمام حکومت کبھی کبھی کندہ کی شاخ سکون کے ہاتھ میں چلی جاتی تھی۔ چنانچہ دومتہ الجند ل اور تبوک کے مقامات بنوکلب کے قبضے میں تھے اور وہ نصرانیت اختیار کر چکے تھے۔ (نقوش:5/31-38)

4۔عمان قبیلہ دوس کا وطن اور ان کی جائے قرار تھا اور ان کے بعد عمان کی حکومت انکے بھائیوں بنو نصر زہران کی طرف منتقل ہوگئی۔ اسی طرح دولت کندہ حضرموت اور یمن میں بھی حکومتیں قائم تھیں۔ (نقوش:5/31-38)

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت النبی ندوی 76-89/1)

ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق

"اِن بادشاہوں اور حکومتوں کے علاوہ دوسرے درجہ میں اعیانیت بھی عرب کے مختلف حصوں میں مکمل یا نامکمل صورت میں موجود تھی وہ روسائے قبائل جو اپنے اپنے قبیلوں کے امیر مانے جاتے تھے اور انہوں نے کہیں کہیں کسی حد تک خود مختار اور آزاد چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم کر رکھی تھیں۔ چنانچہ مکہ، مدینہ، ینبوع، جرش عدن، صحار (جو کہ موجودہ سلطنت عمان کا ایک بڑا شہر ہے اور قدیمی الباطنہ ریجن کا دارالخلافہ تھا پرانا تاریخی قلعہ صحار اسکی عظمت رفتہ کی یادگار ہے جو کہ ناچیز نے خود دیکھا ہے) یمامہ، دومتہ الجندل، فدک اور مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں آباد تھیں جو کم وبیش شہری مملکتیں کہی جاسکتی ہیں"۔

(عہد نبوی میں نظام حکمرانی: 233/1)

اسکے علاوہ عرب کی زندگی میں بدویانہ بود و باش کا پہلو بھی خاصا نمایاں ہے

سید علی بلگرامی کے مطابق

"اہل عرب بڑی تعداد میں (نہ کہ تمام عرب) بدویانہ طریق زندگی اپنائے ہوئے تھے ان کا نہ کوئی مسکن تھا نہ مرکز۔ یہ سب لوگ خیموں میں رہا کرتے تھے اور زیادہ تر ان کے پڑاؤ ریگستان کے کنارے شاداب مقامات پر ہوا کرتے تھے لیکن یہ سرسبزی و شادابی چونکہ عارضی ہوا کرتی تھی اس لیے ان کا قیام بھی مختصر ہوتا تھا"۔ (تمدن عرب: 40)

یہ عرب بدو اکثر مویشیوں کے گوشت اور ان کے دودھ پر گذارا کرتے تھے ایک جگہ جم کر نہ رہنے کی بناء پر یہ لوگ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت اور تمدن و سیاست سے نابلد تھے بلکہ انہیں ایسے کاموں سے نفرت تھی اور یہ ان کاموں کو اپنی آزادی کے متضاد سمجھتے تھے۔

(فجر الاسلام: 11-9)

بحیثیت مجموعی عرب کی زندگی کی بدنظمی، بدانتظامی اور بے مقصدیت پر بحث کرتے ہوئے خواجہ غلام السیدین لکھتے ہیں۔

"خود عرب میں اس وقت نہ کوئی منظم حکومت تھی اور نہ کوئی قانون کی فرمانروائی نہ سماج میں انصاف

اور مساوات کا احترام، شاید وہاں فن خطابت، آداب شجاعت اور مہمان نوازی کے سوا تہذیب کے کوئی دوسرے دل پذیر عناصر باقی نہ رہے تھے۔ جہالت عام تھی۔ لوگ بے شمار قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے جنکے الگ الگ خدا تھے۔ جوان سے قربانیوں کے طالب تھے اور دوسرے خداؤں سے برسر پیکار۔ ان قبیلوں کے تعلقات کا یہ عالم تھا کہ ذرا ذرا سی بات میں لڑائی آگ کی طرح بھڑک اٹھتی تھی اور جائداد کی طرح یہ نفرت و مخالفت ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی اور کشت و خون کا بازار گرم رہتا۔ خانہ کعبہ جسکو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور بیت اللہ قرار پایا تھا اب کئی سو بتوں کا مسکن تھا اس طرح توحید الٰہی اور انسانی وحدت دونوں کا تصور پاش پاش ہو چکا تھا۔ باہمی مروت اور سماجی وضع داریاں ختم ہو چکی تھیں۔ عورت کی حیثیت جانوروں سے بدتر تھی گھوڑوں اور اونٹوں سے تو یقیناً بدتر تھی جنکی عرب عام طور پر بہت قدر کرتے اسکی نہ کوئی سماجی پوزیشن تھی نہ اقتصادی اور اسکو اس درجہ ذلیل سمجھا جاتا تھا کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تو وہ اس کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ شراب نوشی، قمار بازی اور بے شرمی کے بہت سے مظاہر انکی زندگی کا جزو بن گئے اور ہر اعتبار سے تہذیب و تمدن کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ (نقوش:232/3)

آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ یعنی چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا زمانہ ایک ایسا پر آشوب دور تھا جبکہ عالم انسانی کا نظام فکر و عمل مجموعی طور پر منتشر اور پراگندہ تھا یعنی کہ

☆ معاشرے میں اخلاقی و روحانی قدریں ناپید تھیں۔

☆ اجتماعیت کا سیاسی مزاج بگڑ چکا تھا۔

☆ آئین سیاست کی بنیاد مطلق العنانیت، آمریت، استبداد، ظلم و جبر فتنہ و فساد اور کشت و خون پر قائم تھی۔

☆ جسکی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون رائج تھا اور سیاست کا کمال یہ تھا کہ مخالف سے سارے اختیارات چھین لیے جائیں۔

☆ المختصر یہ کہ نسل بنی آدم تباہ کن ذہنی و سیاسی خلفشار میں مبتلا تھی اور کارخانہ حیات الٹ پلٹ ہو چکا تھا۔

پھر جزیدہ عرب کا تو حال اور گیا گزرا تھا وہ ایک ایسی سرزمین تھی جہاں

☆ نہ تو کوئی مرکزی حکومت تھی۔

☆ نہ ہی عرب معاشرہ ایک بالاتر قوت اور اختیار سے متعارف تھا۔

☆ عرب کے باسی حدود و قیود سے آزاد تھے اطاعت و اتباع کی روشنی سے نابلد تھے۔

☆ انتشار و افتراق کا دور دورہ تھا۔ وحدت ملی پارہ پارہ تھی اتحاد، اتفاق اور یگانگت نام کو نہ تھی۔

☆ باہمی رقابتیں اور رنجشیں رنگ لا رہی تھیں۔ قبائل آپس میں دست و گریباں تھے۔

مذکورہ بالا حالات میں جب لاقانونیت، ظلم و استبداد، استحصال، تشتت و افتراق، بد انتظامی اور بدنظمی اپنی زوروں پر تھی۔ تو یہ توقع بہت مشکل تھی کہ کوئی ایسا قائد آئے گا جو دنیا کو غیر الٰہی حاکمیت، ظلم و جبر، ناانصافی، بے راہ روی، بے مقصدیت اور بدنظمی سے نجات دلا کر امن و فلاح، اتحاد و اتفاق، حسن اخلاق، حسن نظم اور اخوت و محبت میں پرو دے گا اور آسمان عرب پر ایک نئی دنیا تخلیق کرے گا۔ انسانیت مایوس تھی۔ آہیں بارہ گاہ الٰہی کی طرف رواں دواں تھی۔ ظلم و جبر ناانصافی، تشدد لاقانونیت و آمریت کی گرمی عروج پر تھی خلق خدا گرمی بے جا اور حبس سے نڈھال تھی کہ چشم فلک نے دیکھا کہ ایک "منتظم اعلیٰ" رحمت کی گھٹا بن کر آیا آن کی آن میں سرد ہوا کے جھونکوں نے سسکتی انسانیت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ گرمی کا زور ٹوٹ گیا اور یہ گھٹا برسی تو اپنے پرائے سب کو سیراب کر گئی، سب کی پیاس بجھا گئی۔

دنیائے انسانیت کو ماسوائے اللہ ہر قسم کی غلامی سے نجات مل گئی امن و امان، صلح و عدل اور قانون کی حکمرانی قائم ہوئی عرب میں ایک ایسا نور چمکا جسنے چار دانگ عالم میں اپنی کرنوں سے اجالا کر دیا۔ ایسا حسین انتظام ہوا کہ

☆ بے چارے کو چارا مل گیا۔

☆ بے سہاروں کو سہارا مل گیا۔

☆ حق دار کو اسکا حق مل گیا۔

☆ مظلوم کو انصاف مل گیا۔

☆ حوا کی بیٹی کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ اور حقیقی مقام و مرتبہ مل گیا۔

اور وہ عرب کہ جہاں پر کبھی

☆ کوئی ملک گیر منظم مملکت قائم نہ ہوئی تھی۔

☆ نظم و ضبط اور قاعدہ و قانون اجنبی تھے۔

☆ تنظیم اور سیاسی وحدت ناپید تھی۔

وہاں

☆ ایک ملک گیر اور ہمہ گیر منظم اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔

☆ پورا عرب ایک پرچم کے سائے تلے آ گیا۔

☆ حکومت، نظم و ضبط، قانون، عدل و مساوات، اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کی لافانی مثالیں قائم ہوئیں۔

اور

یہ سب کچھ صرف 10 سال کے قلیل عرصے میں وقوع پذیر ہو گیا جسکی نظیر انسانی تاریخ میں ملنا محال ہے۔ عالم انسانیت کا یہ عظیم انقلاب اس محسن انسانیت اور منتظم اعلیٰ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا جو کہ اللہ کے آخری نبی، افضل البشر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

بلاشبہ یہ آپ کی اعلیٰ پایہ کی انتظامی صلاحیتوں کا ہی کمال تھا۔

**صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ و اصحابہ وسلم**

## باب سوم

# اسلام میں منتظم اعلیٰ کا تصور

اسلام کائنات انسانی کا آخری اور مکمل دین ہے۔ جو تدریجاً حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات پر مکمل ہو گیا۔

آپ ﷺ نے قرآن اور سنت کی شکل میں دنیا کے لیے نمونہ عمل اور مکمل دستور چھوڑا ہے۔ فرمایا

وقد ترکت فیکم ما ان اعتصم به فلن تضلوا ابداً امرابینا کتاب الله وسنة نبیه۔(ابن هشام:251/4)

میں تمہارے اندر دو واضح چیزیں چھوڑے جارہا ہوں قرآن اور سنت۔ ان کا دامن تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

گویا اب تمام کی تمام نسل انسانی کی ہدایت اور فلاح کا انحصار قرآنی اور نبوی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ یہ تعلیمات آپ نے بحیثیت منتظم اعلیٰ (رسول) کے لوگوں تک پہنچائیں۔ آیئے اب ذرا اسلام میں منتظم اعلیٰ کے تصور کو دیکھتے ہیں۔

## 1۔ اجرائے خلافت الٰہی:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

اذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة (البقرة:30/2)

(اور یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں اپنا نائب۔

### خلیفہ کا مفہوم:۔

یہ خلف سے مشتق ہے جسکی معنی "پیچھے آنا" کے ہیں۔ فرعون کی موت پر اسکے بدن کو آئندہ محفوظ رکھنے کا وعدہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

فالیوم ننجیك ببد نك لتكون لمن خلفك آیة۔(یونس:92/10)

تو آج ہم بچالیں گے تیرے (بے روح) جسم کو تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لیے (عبرت) کا نشان ہو جائے۔

اسی سے خلفہ نکلا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفه۔(الفرقان62:25)
اور وہی ہے جسنے رات اور دن کو پیدا کیا کہ ایک کے پیچھے ایک آتا ہے۔

اسی سے خلافت نکلا ہے۔جسکے معنی "نیابت" اور" قائم مقام" کے ہیں۔کہا جاتا ہے

خلف فلان فلانا ای قام بالا مر عنه اما معه و اما بعده
یعنی فلاں شخص اسکا قائم مقام اور نائب ہوا خواہ اس کی ہمراہی میں خواہ اس کے بعد

بنابریں خلافت کا معنی یہ کیا جاتا ہے۔

الخلافة النیابة عن الغیر امافی الغیبة المنوب عنه و اما لموته ولعجزه و اما لتشریف المستخلف۔
خلافت کسی دوسرے کے نائب اور قائم مقام ہونے کو کہتے ہیں خواہ بوجہ اسکی عاجزی اور نااہلیت کے یا محض نائب، بنائے جانے والے کی عزت افزائی کے لیے۔

باری تعالیٰ کی خلافت ونیابت پہلے تینوں اسباب سے پاک ہے وہ صرف چوتھے سبب کے لیے ہے۔اس ذات نے بنی نوع انسان میں سے انبیاء ورسل کی مقدس ہستیوں کو محض ان کی قدر ومنزلت اور شرف وعظمت بڑھانے کے لیے اپنی خلافت ونیابت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔اس لیے یہ پاکیزہ نفوس روئے زمین پر باری تعالیٰ کے خلیفے اور نائب ہیں۔یہ ان معنوں میں خدا کے قائم مقام ہو تے ہیں کہ یہ باری تعالیٰ کے امرونہی پر مبنی احکام وصول کرتے ہیں اور بنی نوع انسان تک پہنچا کر انہیں عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔(تفسیر منہاج القرآن البقرة:55-354)

گویا نبی دوسرے معنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے انتظام وانصرام کے لیے بحیثیت منتظم اعلیٰ کے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اس کا نظام قائم کرے اور دنیوی انتظام وانصرام کا نفاذ کرے۔

## 2۔خلافت کی اقسام:۔

چودھری غلام رسول نے خلافت کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

1۔نوعی خلافت　　2۔قومی خلافت　　3۔شخصی خلافت

### 1۔نوعی خلافت:۔

یعنی کہ تمام بنی نوع انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ فی الارض ہیں اور ہر ایک فرد دیگر مخلوقات پر حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا۔

و اذ قال ربك للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة۔(البقرة:30:2)

اور یاد کیجیے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب۔

اس آیت میں تمام نوع انسان کو خلیفہ کہا گیا ہے۔

### 2۔قومی خلافت:۔

جب ایک قوم کو حکومت اور بادشاہت سے نوازا جاتا ہے تو وہ اس قوم کی خلافت ہے جیسا کہ قوم عاد کو فرمایا۔

واذ كروا اذ جعلكم خلفاء من بعد قوم نوح۔(الاعراف 69:7)

اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تمھیں اس قوم کا جانشین کیا۔

### 3۔شخصی خلافت:۔

یہ دو طرح کی ہوتی ہے۔

#### 1۔خلافت خاصہ:۔

اس سے مراد وہ خلافت ہے جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو لوگوں کی ہدایت کے لیے مامور کرتا ہے۔تمام انبیاء کرام اسی خلافت کے حامل تھے۔جیسا کہ فرمایا

یاداؤد انا جعلنا خلیفة فی الارض۔(صٓ 26:38)

اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔

#### 2۔خلافت عامہ:۔

جب کوئی مامور (نبی) وفات پا جائے تو اس کے مشن کو چلانے کے لیے اسکا نائب خلافت عامہ کا حامل ہوگا (حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنا لہذا اس طرح اب خلافت

خاصہ ختم ہو چکی ہے عامہ جاری رہے گی اور اسکا اہل ہر متبع شریعت اور خلافت راشدہ کی پیروی کرنے والا مسلمان حکمران ہوگا)

جب حضرت ابوبکر صدیق کو بعض لوگوں نے خلیفۃ اللہ کہنا شروع کیا تو آپ نے منع فرمادیا اور فرمایا

لست خلیفة الله ولکن خلیفه رسول الله۔ — میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کے رسول کا خلیفہ ہوں۔ (اسلام کا سیاسی نظام:25)

مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے خلافت کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور آسان انداز میں یوں لکھا ہے۔

یہاں خلافت سے انسان کی دوشانیں مراد ہو سکتی ہیں۔ نیابت سیاسی، مظہریت الھیہ

**نیابت سیاسی:۔**

روئے زمین پر احکام الٰہی کے اجراء و نفاذ سے عبارت ہے یہ مقام اصلاً صرف انبیاء کو حاصل ہوتا ہے اس لیے وہ خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے بنی نوع انسان کی امامت اور پیشوائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اگر ان کی مساعی روئے زمین پر کسی باقاعدہ ریاست کی تشکیل ہوتی ہے تو وہ خود ہی اسکے حاکم وسربراہ ہوتے ہیں اور اگر ریاست تشکیل نہ بھی ہو تو بھی اپنی امت کی امامت و پیشوائی کا منصب انہی کے سپرد ہوتا ہے اور انکی امت کے حکام وامراء ان کے خلیفہ ہوتے ہیں۔

**مظہریت الھیہ:۔**

مظہریت الھیہ سے ڈاکٹر صاحب نے حقیقت انسان مراد لیا ہے انسانی شخصیت کو بشریت ملکیت اور حقیقت کے تین پہلوؤں سے عبارت کر کے پھر حقیقت کو مظہریت قرار دیا ہے اور اسکا کمال حضور نبی اکرم ﷺ کو قرار دیا ہے۔ (تفسیر منہاج القرآن البقرۃ:356-360)

مذکورہ بالا مفہوم سے یہی بات سمجھ میں آئی کہ قدرت کی طرف سے زمین میں خلیفہ کے طور پر انبیاء و رسل آتے رہے اور اب جب کہ یہ سلسلہ آپ ﷺ کی ذات پر بند ہو گیا ہے تو امت مسلمہ میں اسکے اہل افراد خلیفہ کے منصب پر فائز ہوں گے جیسے خلفاء راشدین۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد

"قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت اور

سعادت کے لیے ایک خاص ذمہ دار قوم وحکومت قائم ہو"۔(مسئلہ خلافت:6)

### 3۔اسلامی تصور حکومت وخلافت:۔

اسلامی ریاست میں حقیقی حکم اور امر سب اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ہوتا ہے۔اقتدار اعلیٰ کی مالک اللہ کی ذات ہوتی ہے اور اسکے بندے اس کے حکم کے مطابق اسکی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں اور اس کے دین کا نفاذ واحکام کا اجراء کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی "شان اقتدار اعلیٰ" قرآن نے مختلف مقامات پر یوں بیان فرمائی ہے۔

ان الحکم الاللہ۔(یوسف40:12)
حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔

الالہ الحکم۔(الانعام26:6)
جان لو حکم (فرمانا) اسی کا (کام) ہے

وللہ ملک السموت والارض و ما بینھما۔(المائدہ17:5)
اور آسمانوں اور زمین اور جو (کائنات) ان دونوں کے درمیان ہے (سب) کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء۔(آل عمران 26:3)
(اے حبیب ﷺ :یوں) عرض کرا ے اللہ سلطنت کے مالک تو جسے چاہے سلطنت عطا فرمادے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔

مندرجہ بالا آیات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ سب چیزوں کا خالق و مالک اور ہر قسم کے حکم وامر کا حقیقی و واحد مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنی مرضی سے نظام دنیا چلانے کے لیے منتظم مقرر کرتا ہے جو اسکی مرضی کے مطابق کام سرانجام دیتے ہیں۔بعض کو آزمائش یا مشیت کی وجہ سے بھی حکمرانی دے دی جاتی ہے اگرچہ وہ اہل نہیں ہوتے اس میں صرف اللہ کی مشیت کا دخل ہوتا ہے۔

جدید اصطلاح میں خلیفہ کی بجائے صدر (President) چیف ایگزیکٹو (Chief Exective) وزیر اعظم (Prime Minister) وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔بہر حال نام جو بھی ہو مقصد یہ ہے کہ ملکی انتظام وانصرام کا جملہ طور پر جو بھی ذمہ دار ہوتا ہے وہی خلیفہ ہو

تا ہےاور اسے ہم منتظم اعلیٰ بھی کہہ سکتے ہیں۔

## 4۔قرآن اور خلافت انبیاء کا بیان:۔

### ☆۔حضرت یوسف علیہ السلام اور طلب خلافت:۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم O (یوسف55:12) | مجھے سرزمین (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کردو بے شک میں (ان کی) خوب حفاظت کرنے والا (اور اقتصاردی امور کا) خوب جاننے والا ہوں۔ |

ابوالاعلیٰ مودودی کے بقول

جب انہوں نے دیکھا کہ عزیز مصر کی بیوی اور اسکی سہیلیوں کے معاملے میں جس پاکیزہ سیرت کا اظہار ان سے ہوا تھا اور پھر تعبیر خواب کے معاملے میں جس بصیرت کا ثبوت دیا تھا اس وجہ سے بادشاہ مصر ان کا اس حد تک معتقد ہو چکا تھا کہ اگر وہ اس وقت کی حکمرانی کے کامل اختیارات اس سے طلب کریں تو وہ بلا تامل پیش کردے گا۔(اسلامی ریاست:71)

کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا مقصد بعثت دنیا میں نظام الٰہی کا نفاذ واحکام کا اجراء کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے اس سے بہتر کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ قوت نافذہ کے مالک بن جائیں زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لیں چنانچہ سربراہ مملکت اور منتظم اعلیٰ بن کر دین واحکام الٰہی کا نفاذ واجراء فرمایا۔

### ☆۔حضرت داؤد علیہ السلام اور خلافت:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے منصب خلافت کے بارے میں ارشاد ہوا۔

یا داؤد انا جعلنا خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ۔
(ص 26:38)

اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمایئے اور خواہش کی اتباع نہ کیجئے کہ (خواہش کی اتباع ) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

اتنے واضح الفاظ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں قرآن کا بیان اسلام میں منتظم اعلیٰ کے تصور کو اجاگر کر رہا ہے۔

## انبیاء کرام اور خلافت وحکومت:۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انبیاء کرام کی منصبی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اتباع رسالت واطاعت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔
(النساء 64:4)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

چونکہ نبی سربراہ امت، امیر، خلیفہ اور حاکم ہوتا ہے اس لیے اس کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا۔
اسی طرح ایک اور مقام پر نبی کی انتظامی وقانونی حیثیت کو یوں بیان فرمایا گیا۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط۔
(الحدید 25:57)

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن معجزات کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان عدل نازل فرمائی تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں۔

گویا رسل عظام کی بعثت کا ایک مقصد نظام عدل وانصاف قائم کرنا بھی تھا لہذا اس حوالے سے بھی وہ منتظم ٹھہرے۔

## حضور اکرم ﷺ اور منصب خلافت وحکومت:۔

آپ ﷺ کی بحیثیت منتظم اعلیٰ و سربراہ مملکت ذمہ داری کے حوالے سے ارشاد فرمایا گیا۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون۔
(الصف 9:61)

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کردے اگر چہ مشرکین کو برا لگے۔

دیگر ادیان باطلہ پر اسلام کی فوقیت اس وقت عملی طور پر واضح ہوئی تھی جب آپ سلطنت مدینہ کے والی اور مالک بنے تھے۔

## منصب خلافت اور امت:۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ آپ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم فرما دیا لہذا اب دعوت دین اور اقامت دین کا کام امت مسلمہ کے سپرد ہے۔فرمایا

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر۔
(آل عمران 104:3)

تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔

امت کے نفوس قدسیہ صالحین اور **بسطة** فی العلم والجسم کے مالک افراد کو خلافت ارضی کا اہل قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وعد الله الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم۔
(النور 55:24)

اللہ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ انہیں زمین میں ضرور ضرور خلافت دے گا جسطرح ان لوگوں کو خلافت دی جو ان سے پہلے تھے۔

اسی طرح فرمایا

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ وامروبالمعروف ونھوا عن المنکر۔(الحج22:41)

وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت عطا فرمائیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلامی ریاست کا منتظم اعلیٰ یا سربراہ بننے کا وہی آدمی اہل ہے جو صالح ہو، نیک ہو عمل اور کردار کے حوالے سے سب سے بہتر ہو اور اسلام کے نظام صلوۃ، زکوۃ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو۔یعنی منتظم اعلیٰ بننے کا حق اسی کو حاصل ہے جو اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں اور اعمال صالحہ سے مزین ہو۔

اس طرح احکام باری تعالیٰ کے ذریعے ایک اسلامی منتظم کا مقام و مرتبہ اور خصوصیات واہلیت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی منتظم کوئی ایسا حاکم نہیں ہوتا جو خود اپنی قائم کردہ انتظامیہ کا سربراہ بن جائے بلکہ لوگ شورائی نظام کے ذریعے اسے خود منتخب کرتے ہیں۔اگر منتظم اللہ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے احکامات کے مطابق منصب حکومت سنبھال لیتا ہے تو اسکی اطاعت واجب اور بیعت کرنا ضروری ہے۔

## 5۔اسلام میں منتظم اعلیٰ کی خصوصیات:۔

اسلام کی رو سے منتظم اعلیٰ کی چیدہ چیدہ خصوصیات یہ ہیں۔

1۔اسلام میں منتظم کا اولین مقصد یہ ہے کہ وہ اسلامی نظام زندگی کو کسی ردوبدل کے بغیر قائم کرے اور اسلام کے معیار اخلاق کے مطابق بھلائیوں کو فروغ دے اور برائیوں کو مٹائے۔

2۔قانون خداوندی کی برتری قائم کرے۔

3۔عدل بین الناس کو فروغ دے۔

4۔ذاتی طور پر اقتدار کا حریص اور طالب نہ ہو۔

5۔حکومت کو اپنے لیے ایک چیلنج سمجھے اور اللہ کی طرف سے آزمائش۔نیز خدمت اسلام کے طور پر اس منصب کو قبول کرے تا کہ اسمیں کامیاب و کامران ٹھہرے۔

6۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بطریق احسن نبھائے۔

## 6۔اسلام میں منتظم کی ذمہ داریاں:۔

1۔عوام کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرنا۔2۔فرائض منصبی کو پوری امانت و دیانت داری سے نبھانا۔
3۔عوام کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کرنا۔4۔عوام کو روزگار مہیا کرنا۔5۔ملکی دفاع کے حوالے سے ہمیشہ تیار رہنا۔

## 7۔کامیاب منتظم کیسے بنیں:۔

سید انور شاہ کاظمی نے کامیاب منتظم بننے کے چار اصول بیان کیے ہیں۔

1۔نظم و ضبط پر سختی سے عمل پیرا ہوتا ہو۔2۔بہترین اخلاق کا حامل ہو۔3۔اپنی ذمہ داریوں کا خاص خیال رکھتا ہو۔4۔ایسی تراکیب کا خاص خیال رکھے جن میں کم سے کم وقت میں اور کم سے کم جسمانی طاقت و وسائل کو استعمال کرنے سے کارکردگی بہتر سے بہترین بنائی جا سکے۔

(Journal Of Educational Research vol.2 No.2)

## 8۔ذمہ داریوں سے غفلت پر وعید:۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے دو احادیث مبارکہ بیان کی ہیں۔

| | |
|---|---|
| مامن عبد یسترعیه الله رعیة فلم یحطها بنصیحة لم یجد رائحة الجنة | جس بندے کو اللہ نے کسی رعیت کا حاکم بنایا اور اس نے خیر خواہی کے ذریعے اس کی حفاظت نہیں کی تو جنت کی خوشبو تک اسکو نہیں پہنچے گی۔ |
| مامن وال یلی رعیة المسلمین فیموت وهو غاش لهم الاحرم الله علیه الجنة۔(صحیح بخاری کتاب الاحکام 1058/2) | جو شخص رعیت کا حاکم ہو اور اس حال میں مر جائے کہ ان سے خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ |

باب چہارم

# ملکی زندگی اور نظم

اس باب میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات با برکات کی مکی زندگی میں نظم کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔اگر چہ مکی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس اقتدار نہ تھا کہ آپ کی تمام تر انتظامی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتیں اور آپ کے حسن انتظام کے حوالے سے کوئی خاص کام سامنے آتا لیکن آپکی شخصیت مبارکہ سے حسن انتظام کی دو بڑی مثالیں حلف الفضول اور تنصیب حجر اسود ہیں۔ان دونوں مواقع پر آپ نے اپنی تنظیمی و انتظامی صلاحیت اور فہم و فراست کا مظاہرہ فرمایا۔آپ ﷺ کے لباس، چال، انداز گفتگو اور شخصیت کے حوالے سے بھی ہمیں ایک نظم دکھائی دیتا ہے۔دعوت، دعاۃ کی تنظیم سازی اور سفارتی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی ہمیں آپ کے حسن انتظام کی مثالیں ملتی ہیں۔آئندہ صفحات میں انہی حوالہ جات سے آپ کی ذات گرامی میں نظم کے پہلو کا مطالعہ کیا گیا ہے۔مطالعہ میں آسانی اور سہولت کے خاطر اس باب کو 2 فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔نظم ماقبل بعثت 2۔نظم مابعد بعثت

آیئے اب ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے ہیں۔

فصل اول

1۔نظم ماقبل بعثت (ولادت تا ۴۰ سال) (Administration before Annunciation)

ڈاکٹر خالد علوی کے بقول

" آنحضور ﷺ کی مکی زندگی دو ادوار پر مشتمل ہے۔ماقبل از نبوت اور بعد از نبوت۔قدرت نے آپ کو اخلاقی عظمت کے ساتھ جس تدبر اور فراست سے نواز اتھا وہ بھی ایک مسلمہ امر ہے زمانہ قبل از نبوت کے کم از کم ۲ واقعات ایسے ہیں جن سے آپ کے اجتماعی شعور اور تدبر کا پتہ چلتا ہے۔ان میں سے پہلا واقعہ حلف الفضول کا ہے حرب فجار کے بعد عبداللہ بن جدعان کے گھر کچھ لوگ جمع ہوئے اور ایک انجمن کی بنیاد رکھی اسکا مقصد ظالم کو مظلوم سے روکنا اور مظلوموں کی مدد کرنا تھا نبی ﷺ اس معاہدے میں شریک تھے۔" (انسان کامل:313)

1 ۔حلف الفضول:۔

مجاہدین نے جو حلف اٹھایا تھا ابن سعد اور ابن ھشام نے اسکے الفاظ نقل کیے ہیں۔

عن جبیر ابن مطعم قال قال رسول الله ماأحب ان لی بحلف حضرته بدارابن جدعان حمرا لنعم وانی اغدربه هاشم و زهرة و تیم تحالفوا ان یکونوا مع المظلوم مابل بحر صوفة ولو دعیت به لاجبت وهو حلف الفضول۔(طبقات 129/1،ابن هشام 141/1)

جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا میں ابن جدعان کے گھر جس حلف میں شریک ہوا تھا مجھے یہ پسند نہیں کہ سرخ رنگ کے اونٹ ملیں تو میں اسکو توڑ دوں۔ ہاشم زہرہ اور تیم نے قسمیں کھائی تھیں کہ کوئی دریا جب تک صوف کو بھگو سکتا ہے وہ مظلوم کا ساتھ دے گا اور اگر مجھ کو (اب بھی) اس میں بلایا جائے تو میں قبول کرلوں گا۔

مذکورہ بالا روایت سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کو اس قسم کے کاموں سے کتنی محبت تھی جو ظلم کے خلاف منظم طور پر اجتماعی شکل میں کیے جائیں۔ چنانچہ بعد میں حلف الفضول پر عمل درآمد کے لیے آپ نے نہ صرف عملی حصہ لیا بلکہ نوجوانوں کی ایک مسلح جماعت تیار کر لی اور منظم طور پر مظلوم کی مدد کرنے لگے۔ اس سلسلے میں آپ نے انفرادی کوششیں بھی فرمائیں مثلاً ایک مرتبہ آپ نے ابو جہل سے ایک شخص کو اسکا حق دلوایا تھا۔ حالانکہ ابو جہل شروع میں ایسا کرنے کو راضی نہ تھا لیکن آپ کے کہنے پر اس شخص کو اسکا حق دیدیا۔ (رسول عربی:104)

اس سلسلے میں پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقی بحث بھی شامل مضمون کرنا چاہوں گا۔ لکھتے ہیں۔ "رومانیہ کے وزیر خارجہ کونستانس جیور جیو نے حضور ﷺ کی سیرت پر ایک کتاب لکھی" نظرۃ جدیدہ فی سیرۃ رسول اللہ " جسکا عربی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد التونجی نے کیا ہے جو حلب یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ اس میں مصنف نے حلف الفضول کے بارے میں اپنی تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ اس حلف منظم اور طاقتور بنانے میں سرکار دو عالم ﷺ کی مساعی جمیلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ حلف الفضول کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں۔

كان حلف الفضول عبارة عن كو كبة مـو لـفة مـن رهـط مـن الـفتيـان الـمسـلحين هد فهم ان لا يضيع حق الـمظلوم۔(نظره جديده : 39،ضياء النبی 122/2)

حلف الفضول عبارت ہے کہ اس منظم دستہ سے جو مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا جسکا مقصد تھا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہو۔

وزیر موصوف اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "ایک بدو جنوبی علاقہ سے فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ آیا اس کے ساتھ اسکی ایک خوبرو بیٹی بھی تھی۔ مکہ کے ایک دولت مند تاجر (جس کا نام دوسرے مورخین نے نبیلہ بن حجاج لکھا ہے) نے اس بچی کو اغوا کر لیا اس مسکین باپ کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے قبیلے کے پاس جائے انہیں اپنی داستان غم سنائے اور ان سے مدد کی درخواست کرے لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے قبیلے میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے وہ مکہ کے دس قریشی قبیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ اسی پریشانی میں سرگرداں تھا جب محمد ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے قریش کے نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں کہا کہ قریشی نے جو تاجر کے ساتھ نازیبا حرکت کی ہے اس پر ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ قریش کے سب نوجوان کعبے کے پاس جمع ہوئے اور بایں الفاظ حلف اٹھایا۔

نقسم ان نحمی المظلوم حتی يستعيد حقه من الظالم و نقسم ان لا يكون لنا هدف معين من وراء هذا العمل و لا يهمنا ان يكون المظلوم فقير اا و غنيا۔(نظره جديده :20،ضياء النبی 122/2)

ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم سے وہ اپنا حق واپس لے لے اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ اس حلف سے اس کے بغیر ہمارا کوئی مقصد نہیں ہوگا ہم اس بات کی پرواہ نہ کریں گے کہ مظلوم غنی ہے یا فقیر۔

جب انہوں نے قسم اٹھائی تو حضور ﷺ ان کے ساتھ تھے انہوں نے حجر اسود کو زمزم سے دھویا اور اس دھوون کو پیا۔ گویا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اپنی قسم پر پختہ رہیں گے۔ حلف برداری کی اس تقریب کے بعد آپ نوجوان ساتھیوں کو ہمراہ لیکر اس تاجر کے گھر گئے اور اس کے مکان کا گھیراؤ

کرلیااوراس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بچی کوعزت وآبرو کے ساتھ واپس کردے۔تاجر نے کہا کہ ایک رات کی مجھے مہلت دے دوصبح میں لڑکی اس کے باپ کولوٹادوں گا۔لیکن نوجوانوں نے اس کی اس تجویز کوٹھکرادیااوراس کومجبور کردیا کہ وہ بچی فوراًاس کے باپ کےحوالے کردے اب وہ مجبور ہوگیااور بادل نخواستہ اسے بچی کوواپس کرناپڑا۔(ضیاءالنبی 2/26-123)

مذکورہ بالا روایت یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ آپ کس درجہ کےانتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے ایک بااثر امیرتاجر سےلڑکی واپس لیناکوئی آسان کام نہ تھااورایک دوآدمیوں کا کام بھی نہ تھا چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں نوجوانوں کی ایک جماعت تیارکرکے پھران سے حلف لیکرایک مضبوط اور منظم قدم اٹھایااورحق دار کو اسکا حق واپس دلا دیا۔ یہ آپکی انتظامی صلاحیتوں،فہم و فراست اور تدبر کی منہ بولتی مثال ہے۔

2۔تنصیب حجراسود:۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ معظّمہ میں قریش کے زمانہ تک کتنی تبدیلیاں آچکی ہونگی یہ تو عرصہ ماہ وسال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔تاریخی روایات میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت خلیل کی تعمیر کے بعدقوم عمالقہ اور پھران کے بعدقبیلہ جرھم نےتعمیرنو کی۔ بہرحال قریش کے دور میں کعبہ معظّمہ کی عمارت پتھروں کی ایک چاردیواری پرمشتمل تھی جسکی اونچائی انسانی قد سے کچھ زیادہ تھی اورچھت بھی نہ تھی۔قریش نے یہ صورت حال دیکھ کرکعبہ کی تعمیرنو کا سوچنا شروع کردیاچنانچہ آخرکاراسکام کوانجام دینے کے لیےعزم کرلیا۔اس وقت آپ ﷺ کی حضرت خدیجہ کے ساتھ شادی کو 10 سال گذرچکے تھے۔کعبہ کی تعمیرشروع کرنے سے پہلےقریش کے ایک بزرگ نے ان الفاظ میں اعلان کیا۔

یا معشر قریش لا تد خلوا فی بنیا نھا من کسبکم الا طیبا ولا ید خل فیھا مھر بغی ولا بیع ربا ولا مظلمة احد من الناس۔

(السیرۃ النبویۃلابن کثیر 1/277)

اے گروہ قریش کعبہ کی تعمیر میں اپنی پاک اور حلال کمائی کے سوا کوئی چیز داخل نہ کرنا۔کسی بدکار کی آمدنی،کوئی سوداورکسی آدمی پرظلم سے حاصل کی ہوئی دولت (ہرگزاس میں شامل نہ کرنا)۔

غرض قریش نے ہر ممکن طریقے سے حلال کی کمائی کو جمع کیا اور تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ سب کام بحسن وخوبی انجام پا گیا لیکن جب حجر اسود کی تنصیب کی باری آئی تو قبائل میں سوئی ہوئی عصبیت بیدار ہو گئی۔ دیوار کعبہ میں حجر اسود کا نصب کرنا ایک اعلیٰ اعزاز تھا۔ بنو عبدالدار نے تو خون کے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر عہد کیا کہ کسی کو بھی حجر اسود نصب نہ کرنے دیں گے۔ چنانچہ چار پانچ روز اسی کشیدہ صورت حال میں گزر گئے۔ قریب تھا کہ پھر لامتناہی لڑائیوں کا سلسلہ چل نکلتا کہ ایک روز جھگڑے کے تصفیہ کے لیے سب جمع ہوئے۔ ان میں ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم جو ولید بن مغیرہ کا بھائی اور عمر میں سب سے بڑا تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا۔

یا معشر قریش ! اجعلو اینکم فیما تختلفون فیه،اول من ید خل من باب هذا المسجد یقضی بینکم فیه،ففعلوا۔
(السیرة النبویة لا بن کثیر 280/1)

اے گروہ قریش جس معاملے میں تمھارے درمیان اختلاف رونما ہو گیا ہے اسکا فیصلہ کرنے کے لیے اس شخص کو حکم (فیصلہ کرنیوالا) بنالو جو کل سب سے پہلے اس مسجد کے دروازے سے داخل ہو۔

دوسرے دن تہجد گزار نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہوئے آپ کو دیکھ کر لوگوں کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی سارا ماجرا آپ سے بیان کیا گیا آپ نے فرمایا۔

هلموا الی ثوباً۔(ایضاً)

میرے پاس ایک چادر لاؤ۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اس چادر کو بچھا دیا اور اپنے دست اقدس سے حجر اسود کو اٹھا کر درمیان میں رکھ دیا، ہر قبیلے کے ہر خاندان کے ایک ایک سردار کو بلایا اور سب نے چادر پکڑ وائی پھر اپنے دست مبارک سے خود حجر اسود کو نصب فرما دیا۔ اس طرح جس معاملے پر جنگ کا خطرہ منڈلانے لگا تھا اور بدنظمی وفساد کی انتہا ہونے والی تھی آپ ﷺ نے نہایت حسن انتظام سے اس معاملے کو ایسے سلجھایا کہ کام بھی ہو گیا اور خون کا قطرہ تک نہ بہا بلکہ سب کے سب ہنسی خوشی اس کام میں امن وامان کے ساتھ شریک ہوئے۔

بقول ڈاکٹر خالد علوی

"آپ ﷺ کے حسن نظم وسیاسی تدبر کی دوسری مثال حجر اسود نصب کرنے کا واقعہ ہے۔آپ نے ہر فریق کا بیان غور سے سنا سب نے اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا اختلاف ومنافرت کی جو آگ کتنے خاندانوں کو خاکستر کرنے والی تھی آپ ﷺ کے (حسن انتظام و) تدبر سے بجھ گئی۔"

3۔دوسرا سفر شام:۔

موجودہ دور میں کاروباری معاملات چلانے کا مقصد زیادہ سے زیادہ منافع کمانا ہے اور مارکیٹ میں اشیاء فروخت کرنے کے۔لیے کمپنیاں اور فیکٹریاں ایسے افراد رکھتی ہیں جو اس کام میں ماہر ہوتے ہیں اور کاروباری انتظام وانصرام میں ڈگری یا ڈپلومہ ہولڈر ہوتے ہیں۔مثلاً ایم بی اے (Master of business administration) کی ایک خاص ڈگری رکھنے والے افراد کی کاروباری اداروں میں خاص ڈیمانڈ ہوتی ہے۔گویا کاروبار چلانے کے لیے ہر کمپنی کو ایک اچھا منیجر یا منتظم چاہیے ہوتا ہے تاکہ کم خرچ میں زیادہ منافع لے سکیں۔
حضور نبی اکرم ﷺ جب دوسری بار سفر شام پر گئے اور حضرت خدیجہ کا سامان تجارت ساتھ لیکر گئے تو آپ نے حیران کن نتائج دکھائے اور دس گنا منافع ہوا۔ذرا سوچیے تو یہ آپ کی اعلیٰ پائے کی کاروباری مہارت اور انتظامی صلاحیتیں نہ تھیں جنکا یہ شاندار نتیجہ نکلا۔؟
بقول پیر کرم شاہ صاحب
"اس سفر میں دس گنا نفع ہوا جو توقع سے بہت زیادہ تھا یہ محض حضور ﷺ کی امانت ودیانت اور کاروباری مہارت (Business administration) کا ثمر تھا"۔
(ضیاء النبی 130/2)

4۔ظاہری شخصیت اور نظم:۔

زمانہ طالب علمی میں (غالباً سیکنڈ ائیر کے دوران) ایک دن حسن انتظام اور خاص کر علماء کرام کے لیے نظم وضبط کی ضرورت پر ہم سے گفتگو کرتے ہوئے دور حاضر کے مایہ ناز عالم دین مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے فرمایا تھا "بیٹا! کسی کی زندگی میں نظم کا اندازہ اس کی ظاہری شخصیت سے ہی ہو جاتا ہے مثلاً آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں تو آپ کو کھڑا کر کے میں آپ کے لباس اور سر پر ٹوپی لینے کے انداز وغیرہ سے معلوم کرلوں گا کہ آپ میں عملی

زندگی میں کتنا نظم ہے"
بلاشبہ یہ بات کافی حدتک درست اور قابل قبول نظر آتی ہے کہ آدمی کی شخصیت ہی اس کے عمل پر اور معمولات زندگی پر کافی حدتک دلالت کرتی ہے۔
حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری شخصیت مبارکہ کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو تاریخی حقائق آپ کی شخصیت میں ایک نظم کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔آپ کے جسم اطہر کی ساخت اور بناوٹ پر تو بات ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وہ تو صناع حقیقی کی صناعی کا اعلیٰ وارفع شاہکار تھا۔آپ کے تمام جسمانی اعضاء میں تناسب اور خوبصورتی میں کوئی بھی آپ کا ہمسر تھا نہ ہو سکے گا۔آیئے اب ہم آپ ﷺ کے لباس مبارک، رفتار مبارک، اور انداز تکلم وغیرہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

1۔لباس:۔

آپ کا لباس مبارک، ستر پوشی، نفاست وصفائی اور سادگی کا آئینہ دار تھا۔
"ساتر، زینت بخش، لباس تقویٰ تھا، صاف ستھرا ہوتا تھا" (محسن انسانیت:89)

ا۔قمیض مبارک:۔

قمیض بہت پسند فرماتے تھے اسکے آستین نہ زیادہ تنگ ہوتے تھے نہ زیادہ کھلے۔آستین کلائی اور ہاتھ کے جوڑ تک پہنچتی تھی۔قمیض کا گریبان سینے پر رکھتے۔قمیض پہنتے وقت پہلے دایاں بازو ڈالتے پھر بایاں۔اس طرح ہر کام داہنی طرف سے شروع فرماتے۔(معمولات مصطفیٰ:98)

ب۔عمامہ مبارک:۔

(1) سر پر عمامہ شریف باندھتے۔نہ بہت بھاری ہوتا نہ بہت چھوٹا بعض روایات میں لمبائی سات گز اور بعض میں تین گز آئی ہے۔
(2) عمامہ باندھتے وقت اسکا آخری بل پیچھے کی طرف اڑس لیتے۔
(3) عمامہ کا شملہ ضرور چھوڑتے جو ایک بالشت بھر ہوتا اسے پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے درمیان رکھتے بعض دفعہ گردن کے گرد ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹ لیتے تھے۔

(معمولات مصطفیٰ:98)

برادران اسلام! ذرا غور فرمائیے۔

عمامہ شریف باندھتے وقت اہتمام کے ساتھ آخری بل پیچھے کی طرف اڑس لینا۔

شملہ کاندھوں کے درمیان، یا گردن کے گرد حمائل کرنا۔

عمامہ شریف ایک نظم کے ساتھ باندھنا۔

یہ سب آپ کی ظاہری شخصیت میں نظم کا آئینہ دار نہیں تو کیا ہے؟ آپ نے بعض افراد کو دیکھا ہوگا کہ عمامہ باندھتے وقت لاپرواہی سے شملے کی بھی زیادہ پرواہ نہ کی اور بل دینے میں بھی احتیاط سے کام نہ لیا۔ لیکن اکثر افراد اتباع سنت کی پیروی میں عمامہ باندھتے نظر آتے ہیں تو کتنا خوبصورت لگتا ہے۔

## 2۔ آرائش وزیبائش:۔

آپ ﷺ اپنے بال مبارک بہت سلیقے سے رکھتے تھے۔ ان میں کثرت سے تیل کا استعمال فرماتے تھے، کنگھا کرتے، مانگ نکالتے، لبوں کے زائد بال ترشواتے۔ ڈاڑھی مبارک کو بھی طول وعرض میں قینچی سے ہموار کرتے تھے اس معاملے میں رفقاء کو بھی آپ ترغیب دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوقتادہ سے فرمایا جب ان کے بال بکھرے ہوئے دیکھے۔

اکرمھا۔(محسن انسانیت:98) — بالوں کو سنوار کر رکھو

اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ ﷺ قال من کان لہ شعر فلیکرمہ۔(ابو داؤد 220/2) — جسکے بال ہوں اسے چاہیے کہ انہیں سنوار کر رکھے۔

## 3۔ رفتار:۔

آپ کی چال مبارک میں بھی ایک نظم تھا۔ پھر چال مبارک عظمت، وقار، شرافت، وجاہت اور احساس ذمہ داری کی ترجمان تھی۔

(۱) آپ چلتے تو ایک نظم کے ساتھ مضبوطی سے قدم جماتے، ڈھیلے ڈھالے طریقے سے

قدم نہ رکھتے۔

(ب) بدن سمٹا ہوا رہتا دائیں بائیں دیکھے بغیر چلتے قوت سے قدم آگے اٹھاتے ایسا معلوم ہوتا تھا اونچائی سے اتر رہے ہوں۔

(ج) کبھی اپنے صحابہ کا ہاتھ پکڑ کر بھی چلتے دو صحابہ ہوتے تو ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کر لیتے خود درمیان میں چلتے۔(معمولات مصطفیٰ:98)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ کا

(ا) ایک ترتیب اور انداز کے ساتھ مضبوطی سے قدم جما کر رکھنا۔

(ب) چلتے ہوئے سیدھے دیکھنا۔دائیں بائیں اور ادھر ادھر توجہ نہ کرنا بلکہ ایک نظم کے ساتھ خرام ناز کرنا۔

(ج) صحابہ کو ساتھ لینا تو ایک کو دائیں دوسرے کو بائیں اور خود درمیان میں چلنا" قمر در نجوم" کی مانند حسن ترتیب اور نظم کا اظہار ہی تو تھا۔وگرنہ عام لوگ بے ترتیبی سے ادھر ادھر جھک مارتے ،ڈگمگاتے ،لڑکھڑاتے چلتے ہیں۔آپ نے عملاً چلنے میں بھی نظم وضبط کی مثال قائم فرمائی۔

4۔انداز تکلم:۔

حسن تکلم ایسی چیز ہے کہ ایک خوش گفتار انسان تمام انسانوں کے دل جیت لیتا ہے اور پھر کسی کی گفتگو سے ہی اہل دانش اس کے علم ،ایمان ،کردار اور مرتبے کو پوری طرح پہچان لیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی منصبی ذمہ داریوں کی نوعیت اس طرح تھی کہ ان کا بھاری بوجھ اگر کسی دوسری شخصیت پر ڈال دیا جاتا تو وہ تفکرات میں ڈوب کر رہ جاتی لیکن ہم دیکھتے ہیں آپ ﷺ کی جب وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یو حی کی زبان اقدس سے گفتگو کے پھول جھڑتے تو چاشنی ،مٹھاس ،ترنم لطافت ،فصاحت و بلاغت اور ایسے جوامع الکلم ظہور میں آتے کہ پتھر دل موم ہو جاتے ،سنگ دل نرم دل ہو جاتے ،جابر عادل بن جاتے اور کفر کی تاریکیاں اسلام کے نور سے بدل جایا کرتی تھیں۔

انداز گفتگو میں ایسا نظم تھا کہ ام معبد کے مطابق

حلوا المنطق، فصل لا نذرو لا هذر كان منطقه خرزات نظم ينحدرن۔ (شمائل الرسول 46/1)

شیریں کلام، واضح الفاظ کی کمی بیشی سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی۔

اور آپ اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ سننے والا حفظ کر لیتا تھا اور ہر بات کو تین مرتبہ دہراتے کہ سامعین کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ

ما کان رسول اللہ یسرد سرد کم ھذا ولکن کان یتکلم بکلام بین فصل یحفظہ من جلس الیہ۔ (زاد المعاد 182/1)

رسول اللہ ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگاتار اور جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ (ایک نظم کے ساتھ) صاف صاف ایک مضمون دوسرے مضمون سے ممتاز ہوتا پاس بیٹھنے والا اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا۔

ابوداؤد کے مطابق

عن عائشہ قالت کان کلام رسول اللہ کلاماً فصلاً یفھمہ کل من سمعہ کان فی کلام رسول ترتیل و ترسیل۔ (ابو دائود باب الھدیٰ فی الکلام 317/2)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا کلام واضح ہوتا تھا ہر سننے والا سمجھ لیتا تھا گفتگو میں ترتیل اور ٹھہراؤ ہوتا تھا۔

گویا ایک نظم ٹھہراؤ، حسن اور وقار تھا۔ بے ترتیب اور بے مقصد کلام نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ

و یتکلم بجوامع الکلم کلامہ فصل لا فضول ولا تقصیر۔ (شمائل ترمذی اردو عربی: 211)

جامع الفاظ کے ساتھ گفتگو فرماتے آپ ﷺ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتا تھا نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں۔

5۔ نظم عبادت:۔

ویسے تو اسلام نے نماز کی صورت میں ایک مکمل نظم وضبط والی عبادت عطا فرمائی ہے لیکن یہاں ہم نماز کے فرض ہونے اور نبوت ملنے سے قبل کی حضور اکرم ﷺ کی اختیاری عبادت کا ذکر کریں گے۔

ماقبل بعثت آپ کا معمول مبارک تھا کہ آپ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد ہر سال رمضان شریف میں غار حرا میں خلوت نشین ہوتے تھے۔

محمد حسین ہیکل کے مطابق

"آپ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اس (حرا) میں بسر کرتے۔ گھر سے مہینہ بھر کے لیے مختصر سا توشہ ہمراہ لے جاتے اور یہاں دنیا و مافیہا سے بے خبر یکسوئی کے ساتھ فکر و تامل میں ڈوبے رہتے۔

(حیات محمد (اردو):145)

عبادت میں اس طرح باقاعدگی سے ہر سال گوشہ نشین ہونا ایک نظم نہیں تو اور کیا تھا۔ مقررہ مہینہ، ہر سال اور مقررہ اوقات میں تحنث فرمانا بلاشبہ آپ کی ذات میں نظم کا آئینہ دار ہے۔

# فصل دوم

## 2۔ نظم مابعد بعثت (Administration After Annunciation)

بعثت مبارکہ سے پہلے آپ عرب کے ایک صادق امین اور انتہائی شریف و باوقار شہری کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ آپ پر کسی قسم کی معاشرتی یا اجتماعی ذمہ داری عائد نہ ہوئی تھی۔ آپ اس معاشرے کی آلودگیوں سے دامن بچا کر زندگی گزار رہے تھے۔ اپنا ذاتی کاروبار اور اہل و عیال کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہے تھے۔ لیکن جوں ہی آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر نبوت کا بارگراں پڑا تو آپ کی ذمہ داریاں اور حیثیت سراسر بدل گئی اب تمام معاشرے بلکہ تمام بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، نفاذ احکامات الٰہی اور اسلامی فلاحی مملکت کا قیام آپ کے پیش نظر تھا۔ جہالت کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں گمراہ انسانیت کو روشنی و ہدایت دینا تھی۔ ہر قسم کی برائیوں سے لتھڑے ہوئے معاشرے کا تزکیہ کرنا تھا۔ اجتماعی اور ذاتی اصلاح کا فریضہ سرانجام دینا تھا یہی وہ وقت تھا جس سے آپ کی قائدانہ اور تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں، تدبر، صبر، فہم و فراست اور حکمت عملی کے اظہار کی ابتدا ہونا تھی۔

بقول خالد علوی

"چالیس برس کی عمر میں آپ نے اعلان نبوت فرمایا اس اعلان کے ساتھ ہی آپ کی حیثیت بدل گئی شخصی عظمت اور انفرادی صلاحیت کی جگہ قائد تحریک کی سرگرمی آئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مخالفتوں کے طوفان اٹھتے ہیں مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں۔ معاشرتی مقاطعہ ہوتا ہے۔ رفقاء کے لیے عرصہ حیات تنگ ہوتا ہے۔ خود قائد تحریک کے لیے خوف و لالچ کے بے شمار مراحل آتے ہیں لیکن آپ کاروان شوق کو اپنی پیغمبرانہ بصیرت و تدبر اور تائید ایزدی کے ذریعے بچا کر لے جاتے ہیں۔ اگر آپ میں فراست کی ذرہ بھر بھی کمی ہوتی تو مکہ میں تصادم ہو جاتا اور مٹھی بھر مسلمان ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے۔ انتہائی نامساعد حالات میں اپنی دعوت کو وسعت دی اور اپنے تدبر سے قریش کی ہر تدبیر کو ناکام بنا دیا۔ (انسان کامل:315)

غرض حسن انتظام، تدبر اور فہم فراست کی بناء پر آپ ﷺ نے نہ صرف تصادم سے گریز کیا بلکہ

دعوت کو منظم طریقے سے وسعت دی اور اپنی اجتماعی قوت، طاقت کو مسلسل بڑھایا۔ اس سلسلے میں آیئے ذرا آپ ﷺ کی مکی زندگی میں مابعد بعثت نظم وحسن انتظام کی جھلک دیکھتے ہیں۔

1۔ دعوت میں نظم:۔

آپ جیسے ہی نبوت کے منصب پر فائز ہوئے اس کے ساتھ ہی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کی ابتداء کر دی چنانچہ سب سے پہلے آپ نے ایک منصوبہ بندی کے تحت دعوت کا آغاز فرمایا۔

1۔ دعوت کی ابتداء:۔

(ا) چونکہ آپ ایک ایسے معاشرے میں مبعوث ہوئے جو ہر طرف سے گمراہی، جہالت، بے راہ روی، بے مقصدیت، لادینیت اور گناہ کے قعر مذلت میں گرا ہوا تھا اب ایسے معاشرے کو جو صدیوں سے ایک ڈگر پر چل رہا تھا یکا یک دوسرے راستے پر ڈالنا ناممکن نہیں تو انتہائی صعب اور مشکل ترین تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ ایسے معاشرے میں علی الاعلان پہلے ہی دن سے توحید ورسالت کی دعوت دینا ایک ہنگامہ برپا کردے گا اور آپ اس معاشرے میں تنہا رہ جائیں گے لہذا آپ نے اپنی فہم وفراست اور تدبر کی بناء پر دعوت کے دو حصے فرمائے۔

1۔ انفرادی دعوت:۔

اس ضمن میں آپ نے اہل وعیال، خاندان کے افراد، رفقاء ہم جلیسوں کو انفرادی طور پر دعوت دی۔

2۔ اجتماعی دعوت:۔

اس سلسلے میں آپ نے جملہ خاندان قریش اور پورے عرب معاشرے کو دعوت دی۔

1۔ انفرادی دعوت:۔

(ا) اہل وعیال (گھر) کو دعوت:۔

سب سے آپ ﷺ نے اپنی رفیقہ حیات وہمراز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دعوت دی۔ پھر حضرت علی جو کہ آپ کے ہاں پرورش پا رہے تھے انہیں دعوت دی۔

(ب) رفقاء ہم جلیسوں کو دعوت:

رفقاء ہم جلیسوں کو دعوت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارث، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دعوت دی۔

(ج) افراد خاندان میں بھی حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی وغیرہ شامل ہیں۔

نقوش کے مطابق

"خود حضرت رسول خدا کے براہ راست (انفرادی طور پر) سمجھانے سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان کیا۔" (نقوش 481/2)

2۔ اجتماعی دعوت:۔

(ا) جملہ خاندان کو دعوت:۔

اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان بنو ہاشم کو دعوت دی۔ آپ کا گھرانہ تقریباً 40 افراد پر مشتمل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت دی تو اس سلسلے میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا جن کے بچہ ہونے کی وجہ سے قریش کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ شروع شروع میں کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا اس کا آپ کو بے حد رنج تھا۔

ارشاد ہوا

| وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء 214:26) | اور (اے محبوب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ |
|---|---|

ان آیات کے بعد آپ نے بنو عبدالمطلب تمام کے تمام کو گھر پر دعوت دی اور ان کے سامنے اسلام کا پیغام رکھا مگر ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی۔

(ب) جملہ معاشرے اور تمام خاندان قریش کو دعوت:۔

اس سلسلے میں آپ نے تمام ساکنین مکہ کو بلایا اور کوہ صفا پر چڑھ گئے۔ ان سے فرمایا کہ

کیا اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑی کی اس جانب سے ایک لشکر آ رہا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم مان لو گے۔ سب نے کہا بالکل مان لیں گے کیونکہ آپ کی زبان سے ہم نے کبھی جھوٹ نہیں سنا بلکہ سچ سنا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا پھر میں تمھیں خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں ایک خدا کی پوجا کرو باقی سب کو چھوڑ دو۔ مگر سب نے انکار کر دیا۔ (ابن سعد: 200/1)

(2) دارارقم (مرکز دعوت):۔

آپ نے دعوت اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے دارارقم کو بطور مرکزی دفتر اور اجتماع گاہ کے منتخب فرمایا۔ دارارقم میں داخلے کے وقت آٹھ یا نو آدمی آپ کے ساتھ تھے لیکن 30 یوم کے قیام کے دوران یہ تعداد 38 ہوگئی گویا ہر روز ایک مسلمان کا اضافہ ہونے لگا۔ یوں دارارقم سے صحابہ کی ٹولیاں خفیہ طور پر انفرادی واجتماعی طریقوں سے دعوت حق دینے کے لیے نکلتیں اور کافی حد تک کامیاب وکامران واپس لوٹتیں۔ اسطرح دعوت میں ایک نظم پیدا کرنے کے لئے اور دعاۃ کے آپس میں رابطہ کے لیے آپ نے دارارقم کو بطور دفتر کے منتخب فرمایا۔

| | |
|---|---|
| وھی الدار التی کان النبی یجلس فیھا فی الاسلام۔ | یہ وہی گھر ہے جسمیں آپ اسلام کی تبلیغ کے لیے تشریف فرما ہوتے تھے۔ |

(الاصابة فی تمییز الصحابہ: 28/1)

(3) تنظیم مدعوین:۔

آپ نے دعوت کو منظم خطوط پر استوار کرنے کے لیے مدعوین جو کہ دعوت اسلام قبول کر چکے تھے کو باقاعدہ منظم کیا اور دارارقم کو تربیت گاہ کے طور پر استعمال کیا۔

بقول سید اسعد گیلانی

"اس طرح وہ صالح جماعت منظم کی گئی جو اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت تھی۔ پہلے ہر فرد کو علیحدہ علیحدہ عقیدہ ومسلک کا عشق دیکر حق کا درس دیا گیا پھر اسے آزمائش کی بھٹی میں تپایا گیا پھر فرد فرد کو انقلابی گروہ سے وابستہ کر کے اسکے سامنے عظیم نصب العین رکھا گیا پھر اس نصب العین کے لیے کشمکش سے دوچار ہونا، اس کے لیے جدوجہد کرنا، ایثار وقربانی کرنا، اپنی اپنی جگہ مسلسل مار کھانا سکھایا گیا۔ جب ایسا گروہ تیار ہو گیا تو درحقیقت وہ فوج تیار ہوگئی جو اگر قلیل بھی ہو تو اللہ کی

غیبی امداد سے بڑے بڑے گروہوں پر غالب آجایا کرتی ہے۔مکہ کے تیرہ سالوں میں یہی گروہ تھا جو تیار ہوتا، مرتب ہوتا، منظم ہوتا اور تربیت پاتا رہا"۔

(رسول اکرم کی حکمت انقلاب:662)

اس طرح آپ ﷺ نے روز اول ہی سے صحابہ کی تنظیم کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا اور اپنی دعوت کو منظم خطوط پر استوار کرنے کے لیے باقاعدہ تعلیم و تربیت اور تنظیم کا اہتمام فرمایا۔

## (4) نظام رازداری:۔

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ عرب، معاشرے میں فوراً ایک نئی دعوت کی علی الاعلان تبلیغ واشاعت سے ایک ہنگامہ برپا ہوجاتا، ہر طرف سے یکلخت مخالفت اٹھتی اور طوفان عداوت کھڑا ہوجاتا۔چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں ایک خفیہ نظام ترتیب دیا ہوا تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مٹھی بھر جماعت خفیہ طور پر ایک ایک آدمی سے ملتی اور انھیں دارارقم میں آپ کے بارگاہ عالیہ میں پیش کردیا جاتا تھا۔

نقوش کے مطابق

"پہلے خود آنحضرت اور خود ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ایک مرد صالح کی تلاش میں نکلتے اور جب کوئی سعید روح مل جاتی تھی تو اسے سمجھا بجھا کر مسلمان کرتے تھے کیونکہ ان دنوں لا الہ الا اللہ بولنا معمولی دل گردے والا کام نہ تھا لوگ چپکے چپکے آنحضرت کا پتہ دریافت کرتے اور مسلمان ہوجاتے۔"(نقوش485/2)

اس طرح آپ نے خفیہ طور پر دعوت وتبلیغ کا کام جاری وساری رکھا ہوا تھا۔کہا جاتا ہے کہ خوشبو والے کو خوشبو کے بارے میں بتانا ضروری نہیں ہوتا خوشبو خود بخود اپنا پتہ دیتی ہے چنانچہ گلشن رسالت کے مہکتے گلاب کی بھینی بھینی دلفریب خوشبو کیسے صاحبان قدر سے پوشیدہ رہ سکتی تھی ہر پاکیزہ خصلت اور صاف دل ودماغ والی ہستی خود بخود آپ سے ملاقات کے لیے کھنچی چلی آتی تھی اس سلسلے میں حضرت ابوذرغفاری کے قبول اسلام والی حدیث بھی کافی واضح دلیل ہے۔

طویل حدیث کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابوذر غفاری مسلسل تین سال سے تلاش حق میں سرگرداں تھے۔انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی خبر سن کر اپنے بھائی نفیس کو مکے بھیجا کہ آپ ﷺ کے بارے میں معلوم کرکے آئیں۔انہوں

نے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بابت بتایا۔چنانچہ آپ فوراً مکہ پہنچ گئے۔چاہ زمزم کے پاس بیٹھ گئے۔حضور اکرم ﷺ کے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔انہیں بیٹھا دیکھ کر حضرت علی شام کے وقت انہیں ساتھ لے گئے کھانا کھلایا اور رات ٹھہرایا لیکن کوئی بات نہ کی اسی طرح تیسرا دن آ گیا۔حضرت علی نے دریافت کیا کہ آمد کا سبب کیا ہے۔وعدہ لیا کہ راز رہے گا۔چنانچہ حضرت علی کو بتایا کہ میں نبی آخرالزماں سے ملنا چاہتا ہوں۔چنانچہ حضرت علی نے فرمایا کہ میرے پیچھے چلے آئیں خطرہ لاحق ہوگا تو میں ٹھہر جاؤں گا ایسا ظاہر کروں گا کہ رفع حاجت کے لیے بیٹھ گیا ہوں۔اس طرح تم میرے پیچھے چلے آنا۔چنانچہ ابوذر غفاری آپ ﷺ کی خدمت میں اس طرح رازدرانہ اور خفیہ طریقے سے پہنچے اوراسلام قبول کرلیا۔(صحیح مسلم:297/2)

چونکہ آپ کی بعثت عام تھی اور ساری دنیا کے لیے تھی لہذا آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ ساری دنیا میں دعوت اسلام کی تبلیغ کریں۔

آپ کے سامنے عالمی مشن کی تبلیغ کا مسئلہ تھا۔آپ نے تمام عرب کے اطراف میں نظر دوڑائی اور غور فرمایا تو آپ کو دعوت کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ اور مصائب کے بادل نظر آئے۔قدم قدم پر رکاوٹیں نظر آئیں۔چنانچہ آپ نے ان حالات میں فیصلہ فرمایا کہ چند سال تک رازدرانہ تبلیغ کی جائے اور حسن تدبیر سے تدریجاً ایسی جماعت تیار کی جائے جو کہ اس عظیم عالمی مشن کی تبلیغ و اشاعت کے لیے تن من دھن لٹانے پر تیار ہو جائے۔چنانچہ حکمت عملی، تدبر، فہم و فراست اور حالات کے تقاضے کے پیش نظر آپ نے خفیہ اور رازدرانہ تبلیغ کا فیصلہ فرمایا۔ابتدائی تین سال تک تمام کام رازدرانہ طریق پر کیا گیا۔

| | |
|---|---|
| واقام بعد ذلك ثلاث سنين يدعو الى الله سبحانه مستخفيا۔ | اور آپ اس کے بعد تین سال تک اللہ کی طرف خفیہ دعوت دیتے رہے۔ |

(زاد المعاد:86/1)

## 5۔مکی دور میں سفارتی نظام:۔

مکہ میں اگر چہ آپ ﷺ کو آرام وسکون کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا موقع فراہم نہ ہوسکا کہ آپ دعوت کو بین الاقوامی سطح پر منظم فرماتے لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے شدید مخالفت کے باوجود

مکہ اور اسکے گرد نواح اور بعض دیگر ممالک کی طرف سفارتیں بھیجیں اور بعض مقامات پر خود تشریف لے گئے۔ یوں ہمیں مکی زندگی میں بھی سیرت طیبہ سے سفارتی نظام کے بارے میں کافی معلومات مل جاتی ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

## (i) مدعوین کی اپنے علاقے میں تقرری:۔

آپ داعی حق تھے۔ توحید ورسالت کا پیغام حق لوگوں تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری تھا۔ اس لیے آپ کے تمام سفارتی مشنوں کی نوعیت خالصتاً دینی اور مذہبی ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے آپ نے دو طریقے اختیار فرمائے تھے۔

(ا) بنفس نفیس دعوت تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچایا۔

(ب) جانثاران اسلام یعنی صحابہ و مدعوین کے ذریعے تبلیغی و سفارتی مشن جاری رکھا۔

آپ ﷺ ہر اس شخص کو جو اسلام قبول کرتا ضروری ہدایت دے کر اور تعلیم وتربیت فرما کر اسے اپنے قبیلے یا علاقے میں واپس بھیج دیتے تا کہ سفارتی مہم جاری وساری رہے۔ گویا اس صحابی کی حیثیت سفیر رسول ﷺ کی ہوتی تھی۔

اس ضمن میں طفیل دوسی، ابوذر غفاری اور عمرو بن عبسہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

(صحیح البخاری: 544/1،2/1، ابن ہشام: 24/2)

## (ii) طائف کا سفارتی مشن:۔

آپ ﷺ 27 شوال 10 نبوی (بمطابق جنوری ۶۲۰ء) اپنے غلام زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر طائف میں دعوت اسلام کے روانہ ہوئے۔ محمد بن عمرہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ دس دن طائف میں رہے لیکن کسی نے بھی دعوت حق کو قبول نہ کیا۔

فاقام بالطائف عشرة ايام لايدع احداً من اشرافهم الا جاءه و كلمه فلم يجيبوه۔

آپ ﷺ طائف میں دس دن رہے اور تمام اشراف کے پاس گئے ان سے بات کی لیکن کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔

(طبقات ابن سعد: 312/1)

آپ ﷺ نے پھر بھی دولت وطاقت کے نشے میں بدمست سرداروں کو دعوت دینا جاری وساری

رکھا۔ان ظالموں نے آپ ﷺ کے پیچھے لڑکے لگا دیئے جنہوں نے آپ ﷺ کو پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیا۔آپ نے ایک باغ میں پناہ لی۔آپ کو ربیعہ کے بیٹوں عتبہ وشیبہ نے باغ میں پناہ لیتے وقت دیکھ لیا اور قرابت کی وجہ سے انہیں آپ کی حالت پر رحم آ گیا۔چنانچہ وہ خود تو نہ آئے لیکن اپنے غلام عداس کے ہاتھوں کچھ انگور بطور ہدیہ بھیج دیئے۔آپ نے وہ بسم اللہ پڑھ کر تناول فرمائے۔عداس اس سے حیران ہوا کیونکہ وہ نصرانی تھا کہنے لگا یہ کلام تو یہاں کے لوگ نہیں کہتے۔چنانچہ آپ نے اس سے اس کے علاقے اور مذہب کے بارے میں پوچھا اس نے عرض کیا کہ میں نینوا کا عیسائی ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے حوالے سے سب بیان کر دیا۔وہ متاثر ہوا اور فوراً اسلام لے آیا اور ابن ہشام کے مطابق

| فاكب عداس على رسول الله يقبل راسه ويده و قدميه۔ | عداس جھکا اور آپ کے سر،دست اقدس اور قدمین شریفین کو بوسہ دیا۔ |
|---|---|

(ابن هشام:62/2)

اس طرح آپ ﷺ نے اتنی سخت تکلیف کے باوجود بھی دعوتی وتبلیغی اور سفارتی مشن جاری رکھا اور عداس کو مسلمان کر لیا۔طائف سے واپسی پر آپ نے مزید جوش وجذبے کیساتھ تبلیغ شروع کر دی اور

(ا) شہر سے باہر تشریف لے جاتے جو کوئی اکا دکا آدمی ملتا اسے دعوت حق دیتے۔

(ب) جب کوئی مسافر مل جاتا تو بڑے اعزاز کے ساتھ اپنے ہمراہ لے آتے قیام وطعام کا انتظام کرتے اور دعوت اسلام دیتے۔

(ج) جب معلوم ہوتا کہ شہر میں کوئی معزز ومحترم آدمی آیا ہوا ہے تو اسے بھی دعوت اسلام دیتے۔

(د) سالانہ میلوں جیسے عکاظ، ذوالمجنہ اور ذوالمجاز وغیرہ میں جا کر لوگوں کو پیغام حق سناتے۔

(ر) مکہ کے پاس قریبی بستیوں اور دیہاتوں میں جو قبیلے آباد ہوتے انہیں بھی پیغام پہنچاتے۔

(س) حج کے موقع پر بھی دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کو ان کے خیمہ جات میں جا کر دعوت دیتے۔(ابن ہشام:67/2)

(iii) سفارت حبشہ:۔

اسلام کی پہلی ہجرت، ہجرت حبشہ تھی اس میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں اگر

مہاجرین کی فہرست پر غور کیا جائے تو یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ ہجرت تو تھی ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک سفارتی مشن بھی تھا۔ ہجرت حبشہ میں شامل تقریباً تمام افراد معزز اور طاقتور قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں بعض بڑے مشہور اور صاحب اقتدار لوگ شامل تھے۔

☆ حضرت عثمان غنی بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے جسکا اس وقت غلبہ واقتدار تھا پھر آپ بہت بڑے تاجر اور متمول آدمی بھی تھے۔

☆ حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت ابوسبرہ ذیشان بزرگ تھے۔

☆ حضرت جعفر طیار، حضرت زبیر اور حضرت معصب خود خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے جو بہت ہی معزز ومحترم اور صاحب اقتدار تھا۔ (رسول اللہ کا سفارتی نظام: 186)

اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب قافلے میں شریک بھی لوگ کھاتے پیتے گھرانوں کے چشم و چراغ تھے اور صاحب منصب ومعزز ومحترم تھے تو یہ ہجرت تو تھی ہی لیکن کیا ایسے افراد کا انتخاب دعوتی وتبلیغی سفارت کے طرف اشارہ نہیں کرتا؟ یقیناً یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ باقاعدہ سفارتی مشن تشکیل دیا گیا تھا۔ اور پھر اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے پیدا شدہ شاندار نتائج سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

## iv۔ عقبہ کا سفارتی مشن:۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ آپ بنفس نفیس بھی دعوت دیتے اور آپ کے صحابہ بھی اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے چنانچہ اسی دعوتی وسفارتی مشن میں مصروف عمل ۱۰ نبوی میں کے حج کے ایام کے دوران آپ معمول کے مطابق قبائل کو دعوت دینے کے لیے دورہ پر تھے کہ مقام عقبہ پر یثرب سے تعلق رکھنے والے قبیلہ بنوخزرج کے کچھ لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنی دعوت سنائی اور قبول اسلام کی دعوت دی۔ وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

وھم یحلقون رؤسھم عند عقبة منی فی اسو سم فجلس الیھم ودعاھم الی اللہ وقرا علیھم القرآن فاستجابو الله و رسولہ۔ (زاد السعاد: 100/1)

اور وہ (انصار) حج کے ایام میں منی میں عقبہ کے قریب سر منڈار ہے تھےان کے پاس بیٹھ گئے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

یوں آپ ﷺ نے سفارتی مشن کو یثرب (مدینہ منورہ) تک پہنچادیا اور اس میں کافی توسیع کی۔اس سفارتی مشن کے اتنے دوررس نتائج نکلے کہ اسلامی فلاحی ریاست پر منتج ہوئے۔

ابن اسحاق کے مطابق اس دن ایمان لانے والوں کی تعداد ۶ تھی آئندہ ۱۲ آدمی آئے اور قبول اسلام سے مشرف ہوئے اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔(ابن ہشام:71/2)

آپ نے انصار کی تعلیم وتربیت اور دعوت کو موثر ومنظم انداز سے پھیلانے کے لیے بطور سفیر اور داعی حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم کو بھیجا۔اس کے نتیجے میں اسلام کی اس قدر موثر اشاعت ہوئی کہ مدینہ کے ہر گلی کوچے میں لا الہ الا اللہ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔

اگلے سال حج کے ایام میں انصار مدینہ کے ۷۰ افراد کا قافلہ حضرت مصعب بن عمیر کی قیادت میں مکہ آیا۔اس میں کئی مشرک بھی شامل تھے۔اس موقع پر انصار نے آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔اس دن کی بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔(ابن ہشام:83/2)

### نقباء کا تقرر:۔

کسی بھی کام کو موثر اور منظم انداز میں کرنے کے لیے تنظیم کا ہونا اشد ضروری ہے چنانچہ آپ ﷺ خود منتظم اعلیٰ کے مقام پر فائز تھے اس لیے آپ سے بہتر تنظیم سازی کا کسے تجربہ ہوسکتا تھا۔اسی لیے مدینہ میں دعوت کا کام مزید منظم اور مضبوط خطوط پر استوار کرنے کے لیے آپ نے انصار میں ۱۲ نقیب نامزد فرمائے ان میں سے نو کا تعلق بنی خزرج اور تین کا تعلق بنی اوس سے تھا۔ان نقباء کے نام یہ ہیں۔

### بنی خزرج کے نقباء:۔

(1) ابوامامہ اسعد بن زرارہ — یہ بنی نجار کے نقیب بنائے گئے۔

(2) رافع بن مالک — یہ بنی زریق کے نقیب بنائے گئے۔

(3) سعد بن ربیع — یہ بنی حارث بن خزرج کے نقیب بنائے گئے۔

(4) عبداللہ بن رواحہ

(5) سعد بن عبادہ — یہ بنی ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔

(6) البراء بن معرور

(7) عبداللہ بن عمرو

(8) المنذر بن عمرو

(9) عبادہ بن صامت

بنی ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔

بنی اوس کے نقباء:۔

(1) اسید بن حضیر — یہ بنی عبدالاشھل کے نقیب بنائے گئے۔

(2) رفاعہ بن عبدالمنذر — یہ بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے۔

(3) سعد بن خیثمہ — یہ بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے۔

(سبل الھدیٰ:204/3)

اس طرح آپ ﷺ کی انتظامی خوبیاں، فہم وفراست اور تدبر کھل کر سامنے آتے ہیں۔آپ ﷺ نے بارہ نقباء یا ناظم مقرر فرما کر دعوت کی جس طرح منظم انداز میں بنیاد رکھی آگے چل کر یہی بنیاد ایک مضبوط و مستحکم عمارت میں تبدیل ہوگئی جس کے سایہ میں ہر ظلم و ستم کی گرمی کا ستایا ہوا پناہ لینے لگا۔
پھر تاریخی حقائق سے یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہ بارہ کے بارہ افراد جو نقیب منتخب ہوئے تھے رئیس القبائل تھے اوران کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا مسلمان ہونا تھا۔(رحمۃ للعالمین:75/1)

(V) ہجرت مدینہ:۔

کسی بھی انسان کے لیے بنا بنایا گھر، کام کاروبار، رشتہ دار، عزیز واقارب اور علاقہ چھوڑنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔سالوں کی محنت، کمائی، جان پہچان اور سب کچھ چھوڑنا کس کو گوارہ ہوسکتا ہے؟لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ مکہ کے باسی قائد کے ایک اشارے پر گھر بار، وطن، کاروبار، مال واسباب غرض سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف عازم سفر ہوگئے۔
پھر ہجرت اور وہ بھی سخت مخالفت، عداوت اور دشمنی کے حالات میں کہ آپ کا مخالف فریق آپ کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹ تیار کیے بیٹھا ہے اور خار کھائے بیٹھا ہے کہ کس طرح سے آپ کو نقصان پہنچایا جائے۔اب ان حالات میں امن وسکون کے ساتھ کم سے کم نقصان برداشت کیے منزل پر پہنچنا کسی تنظیم کا عکاس نہیں تو اور کیا ہے؟اس میں بھی منتظم اعلیٰ کی حکمت، بصیرت اور تدبر نظر آتا ہے یا نہیں؟

ذرا60 سال پیچھے نظر دوڑایئے برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے وقت کم وبیش اسی طرح کے حالات درپیش تھے لیکن زمانے نے دیکھا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں لاکھوں قتل ہوئے، ہزاروں عزتیں برباد ہوئیں۔ مال وزر لوٹ لیے گئے لیکن اس سے بھی زیادہ مخالفت عداوت اور دشمنی کے باوجود مکہ سے مدینہ ہجرت کے دوران بمشکل ۲ فیصد ہی اس قسم کے واقعات پیش آئے۔ یہ آپ ﷺ کے حسن انتظام، تدبر، بصیرت اور حکمت کا مظہر نہیں اور تو کیا ہے؟

آپ ﷺ نے خفیہ طور پر اکا دکا افراد اور انفرادی طور پر سب کو ہجرت کا حکم دیا۔ اگر سارے کے سارے مسلمان پاکستان بنتے وقت کی طرح اکٹھے ایک ریلے کی شکل میں ہجرت کرتے تو شاید ہجرت مدینہ کا حال بھی اس سے مختلف نہ ہوتا۔ آپ ﷺ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے چوری چھپے ایک ایک دو دو کر کے تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا۔ اس طرح اکثر صحابہ کسی قسم کا جانی و مالی نقصان اٹھائے بغیر مدینہ پہنچ گئے اور قریش مکہ کو محسوس بھی نہ ہوا۔ اگر چہ رکاوٹ کے اکا دکا واقعات موجود ہیں لیکن اجتماعی اور مسلح رکاوٹ کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ خود آپ ﷺ کی ذاتی ہجرت ایک نظم اور منصوبہ بندی (Planning) کا نمونہ ہے۔

بقول علامہ شبلی نعمانی

"نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ بولے یہاں آپ کے حرم کے سوا کوئی نہیں ہے (اسوقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہو چکا تھا) آپ نے فرمایا مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت بے تابی سے عرض کیا میرا باپ آپ پر فدا ہو گیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا فرمایا ہاں"۔ (سیرت النبی: 171/1)

جب کفار نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا آنحضرت ﷺ ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے (مستند روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ریت کی مٹھی بھر کر کفار پر پھینکی اور وہ اندھے ہو گئے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی دونوں

صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے شب کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں جو کچھ خبر ملتی شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے اس طرح آپ نے تین راتیں غار میں گذار دیں۔ (رحمۃ للعالمین: 86/1)

اس سے ظاہر ہوا کہ آپ نے ایک نظم اور منصوبہ بندی کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

(i) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چند دن پہلے ہجرت کے لیے تیار رہنے اور زاد راہ تیار رکھنے کا حکم دے دیا۔

(ii) رات کو ہجرت فرما کر سیدھے مدینہ کے راستہ پر نہ ہولیے بلکہ تین دن تک غار ثور میں قیام فرمایا اور حالات کا جائزہ بھی لیتے رہے اور فوجی اصول کے مطابق (Camouflage) کیا۔

(iii) حالات سازگار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور سے نکل کر مدینہ کی راہ لی۔ اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف پہنچ گئے۔

روایات کے مطابق ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی بروز پیر (دوشنبہ) بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء قبا میں پہنچ گئے۔ آپ جمعرات تک یہاں ٹھہرے اور اس سہ روزہ قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا تعمیر فرمائی۔ ۱۲ ربیع الاول ۱ھ جمعہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے سوار ہو کر بنی سالم کے گھروں تک پہنچے۔ یہاں جمعہ کا وقت ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ۱۰۰ آدمیوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا یہ اسلام کا پہلا جمعہ تھا۔
(رحمۃ اللعالمین: 86)

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم رنجہ فرماتے ہی یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔ آفت زدہ شہر دوسروں کے لیے جائے پناہ بن گیا۔ بیماریوں کا گڑھ شفاء کا مرکز بن گیا۔ یثرب سے ڈرنے والے یثرب کی طرف دوڑنے والے بن گئے۔ ہر کہ و مہ اس کی فضاؤں سے راحت و آرام اور نور ہدایت پانے لگا۔

اگر غور کیا جائے تو سفر ہجرت میں بھی وقار، تمکنت اور نظم نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر سیدھے مدینہ نہ پہنچے بلکہ نظم کے ساتھ کچھ دور قیام فرمایا اور پھر تقریباً تین دن قیام کر کے مدینہ شریف میں داخل ہوئے۔

علامہ طبری کے مطابق

"صحابہ میں سے قبیلہ قریش کے خاندان بنی مخزوم میں سے سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد بن بلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے مدینہ ہجرت کی یہ اصحاب عقبہ کی بیعت سے ایک سال قبل ہجرت کر گئے تھے۔ان کے بعد مہاجرین میں سے سب سے پہلے عامر بن ربیعہ اپنی بیوی لیلے بنت ابن حشمہ کے ساتھ مدینہ آئے۔پھر عبداللہ بن جحش۔ان کے بعد تو رفتہ رفتہ مسلسل اصحاب رسول اللہ ﷺ مدینہ جانے لگے مگر خود آپ ﷺ مہاجرین کے چلے جانے کے بعد بھی اللہ کی اجازت کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔(الطبری:242/2)

اس سے ایک تو مسلسل اور رفتہ رفتہ ہجرت کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف آپ کے حسن انتظام کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو بیک اعلان و بیک وقت ہجرت کرنے کا حکم نہ فرمایا تاکہ بدنظمی پیدا نہ ہو نیز آپ ﷺ اللہ کے حکم کے انتظار میں رہے یہ بات بجا ہے لیکن کیا اس سے یہ بات بھی سامنے نہیں آتی کہ آپ ﷺ خود سب سے پہلے ہجرت کر جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوف و ہراس، عجلت اور جلد بازی کی فضا پیدا ہونے کا خطرہ تھا جسکی بناء پر اسلام کو جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑتا جسکا وہ متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔صحابہ آپ ﷺ کو ہجرت فرماتا دیکھ کر یا تو آپ ﷺ کے ساتھ ہی معیت کے خیال سے چل پڑتے یا آپ ﷺ چلے جاتے تو بعد میں افراتفری و بدنظمی کا اندیشہ تھا۔

اس کے ساتھ ہی قریش مکہ کو آپ کی ہجرت کا معلوم ہو جاتا تو وہ آپ ﷺ کو بھی روکنے کی کوشش کرتے لیکن باقی ماندہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کے غیر معمولی تشدد کا نشانہ بنتے۔

اس طرح آپ ﷺ کا سب سے آخر میں ہجرت فرمانا تقریباً سب کو اپنی موجودگی و نگرانی میں روانہ کرنا آپ ﷺ کی بصیرت، حکمت، تدبر اور انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

## ایک لطیف نکتہ

موضوع کے متعلق مواد اکٹھا کرتے وقت چند ایک تاریخی حوالہ جات میرے نظر سے گزرے تو میں حیران رہ گیا کہ ماہ و ایام میں کافی مماثلت و مشابہت اور نظم پایا جاتا ہے۔مثلاً آپ ﷺ بروز پیر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور بروز پیر ہی مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے۔

بقول علامہ طبری

"آپ ﷺ پیر (دوشنبہ) کے دن مکہ سے روانہ ہوئے اور پیر کے دن ہی ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ تشریف لائے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ پیر کے دن ہی نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے۔ پیر کے دن آپ ﷺ کو نبوت ملی پیر کے دن آپ ﷺ نے پتھر اٹھایا۔ پیر کے دن ہجرت کے لیے مکہ سے چلے اور پیر ہی کے دن آپ کی وفات ہوئی"۔ (تاریخ طبری: 254/1)

ذرا غور فرمائیں کہ ہر اہم کام کا بار بار پیر کے دن وقوع پذیر ہونا آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں قدرتی طور پر نظم کا انتظام نہیں تو اور کیا ہے؟ گویا آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے سارے کام ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں ایک ایک کام قیمتی چمکدار موتی ہے اور پھر ہر اہم کام ایک بڑا خوبصورت موتی ہے جو کہ چھوٹے موتیوں کے بعد ایک مناسب وقفے سے جڑا ہوا ہے اور حیات طیبہ کو چار چاند لگا رہا ہے۔

سبحان اللہ العظیم والصلوۃ والسلام علی النبی الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

باب پنجم

# مدنی زندگی اور نظم

کسی بھی ناظم، سربراہ اور تنظیم، ادارہ یا ریاست کے لیے اسی وقت ہی کام کرنا ممکن ہوتا ہے جب وہ ذہنی و جسمانی سکون کا حامل ہو اور اسے کھل کر کام کرنے کا موقع ملے۔ اسی صورت میں اسکی تنظیمی اور انتظامی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی ہجرت کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ مکہ میں آپ ﷺ کے کام میں، دعوت و تبلیغ میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں تھیں۔ آپ ﷺ اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کرتے تو بھی روڑے اٹکائے جاتے چہ جائیکہ آپ ﷺ کی تنظیمی و انتظامی صلاحیتیں سامنے آتیں۔

مدینہ منورہ جاتے ہی آپ کو سکون و آرام کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ مادر گیتی نے دیکھا کہ ایک ہستی نے اس کے سینے پر ۱۰ سال کی قلیل مدت میں حسن انتظام کی ایسی تاریخ رقم کی کہ جس کی نظیر نہ پہلے تھی اور نہ بعد میں میسر آئے گی۔

بقول ڈاکٹر خالد علوی

"آپ ﷺ کے تدبر اور فراست کے لیے عملی آزمائش مدینہ میں پیش آئی۔ آپ کی مدنی زندگی ایک بھرپور مصروفیت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ انتہائی مشکل اوقات میں آپ ﷺ نے اپنی خداداد بصیرت سے سلامتی کی راہیں نکالی ہیں۔" (انسان کامل:316)

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے حسن تدبر و انتظام سے روئے زمین پر ایک مثالی اور منظم ریاست اور ایک ایسا فلاحی معاشرہ قائم کیا جس کے لیے چشم فلک آج تک ترس رہی ہے۔ جب تاریخ کے طالب علم کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ کارہائے نمایاں اس ماحول میں اور حالات میں سرانجام دیا جب کہ عام آدمی کو معمولی سی تبدیلی بھی جوئے شیر لانے کے مترادف معلوم ہوتی تھی تو حضور کی عظمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

بقول موسیو گال لیبام

"ساری دنیا کا مطلع فتنہ و فساد کے بادلوں سے تیرہ و تار تھا۔ عالم ارضی کی فضا وحشیانہ بے چینیوں کے غلیظ و کثیف بادلوں میں تاریک تھی۔ دنیا کے ہر حصے میں انسان اچھے ذرائع اختیار کرنے کی بجائے شرارت آمیز وسائل پر اعتماد کرتا تھا۔ امن و اطاعت پر جنگ اور میدان جنگ کو تفوق حاصل

تھا۔ مال غنیمت سے خزانوں کو بھرنا، قوموں شہروں اور شرفاء پر غارت ڈالنا ایسے کارنامے تھے جو اس ساری تاریخ میں قابل ذکر ہیں۔" (انسان کامل:312)

مذکورہ بالا تفصیلات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت ملت انسانی کن حالات سے دوچار تھی۔تخریب کس قدر عروج پر تھی۔ان حالات میں سلطنت مدینہ میں ایک منظم اسلامی و فلاحی ریاست کا قیام ایک ایسا کارنامہ ہے جو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

ان حالات میں ایک صالح نظام حکومت کی بنیاد کے بارے میں ایک غیر مسلم مصنف باز ورتھ (Baos-worth) کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

" آپ مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے سربراہ بھی تھے اگر چہ آپ ﷺ کی شخصیت میں قیصر و پوپ (دونوں کا اقتدار) شامل تھا۔لیکن نہ تو آپ ﷺ کو پوپ کا سا جھوٹا فخر وغرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کوئی فوج آپ ﷺ کے پاس تھی۔نہ کوئی پاسبانوں کا گروہ تھا نہ کوئی محل تھا اور نہ کوئی مقرر آمدنی تھی۔اگر کبھی انسان کو حکومت کرنے کا خدائی حق نصیب ہوا ہے تو وہ محمد ﷺ تھے کیونکہ اگر چہ انہیں اقتدار مطلق حاصل تھا مگر اس کی سب ظاہری اشکال اور مادی سہارے مفقود تھے۔

(Glory of Islam:77)

مذکورہ بالا بیان سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف دشمنوں اور مخالفین نے بھی کیا ہے۔اتنی مشکلات اور مسائل کے باوجود ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنا اور منظم اسلامی و فلاحی مملکت کا قیام بلاشبہ آپ کی اعلیٰ درجے کی انتظامی سوجھ بوجھ، تدبر اور فہم و فراست کا آئینہ دار ہے۔آیئے اب مدینہ میں آپ کے حسن انتظام کے بارے میں ذرا تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

# فصل اول

## مدینہ / ابتدائی انتظام وانصرام (Initial Administraion):۔

مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرمانے کے بعد آپ کی حیثیت مکہ سے یکسر مختلف ہوگئی تھی۔ مکہ میں مسلمان قلیل تعداد میں تھے اور ظلم وتشدد کا شکار تھے۔ خود آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر بھی ہر طرح کا ظلم وجبر کرنے کی کوششیں جاری وساری رہتی تھیں۔ مدینہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور آپ ﷺ ان کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے سربراہ تھے۔ یہاں پر معاشرہ میں امن وامان، یکسانیت اور سکون تھا۔ آپ ﷺ کو اس معاشرہ کے لیے بہت کچھ کرنا تھا اور اسے انسانی فلاح وبہبود کی شاندار مثال بنانا تھا۔

مدینہ میں آپ ﷺ کو اگرچہ سربراہی بھی حاصل ہوگئی تھی اور مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مکہ میں تو صرف قریش کی مخالفت کا سامنا تھا۔ یہاں پر بیک وقت یہود، عیسائی اور آستین کے سانپ منافقین کا سامنا تھا۔ پھر مدینہ کے اردگرد کے بعض قبائل کی مخالفت وعداوت بھی درپیش تھی۔ دوسری طرف مہاجرین کی اکثریت بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ میں وارد ہوئی تھی۔ نہ کسی کا گھر نہ کاروبار، نہ ذریعہ معاش۔ دشمن بھی تعداد اور اقسام میں زیادہ۔ گویا ایک ہی وقت میں کئی مسائل ومشکلات کا سامنا تھا۔

مذکورہ بالا حالات میں آپ ﷺ نے جس حسن انتظام سے کام لیا تاریخ دان اور دنیا کے بڑے بڑے مفکر، مصلح، منتظمین اور سربراہان مملکت انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، عش عش کر اٹھتے ہیں اور داد وتحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آیئے ذرا مملکت مدینہ میں آپ کے حسن انتظام کی چند جھلکیاں دیکھتے ہیں۔

### (1) مواخات (Brotherhood):۔

ہجرت کے بعد پہلا مسئلہ مسلم معاشرے کی ہم آہنگی، یک جہتی اور استحکام کا تھا۔ معاشرے کے دو بڑے طبقات انصار اور مہاجرین تھے۔ دونوں نسلی اعتبار، ماحول اور مزاج کے اعتبار سے مختلف تھے۔ مہاجرین اسلام کی خاطر مال واسباب چھوڑ کر اور گھربار قربان کرکے مدینہ پہنچے تھے اور انصار نے اسلام کی عظمت کے لیے سارے

عرب کی مخالفت مول لی تھی۔ان دونوں طبقات میں باہم یک جہتی اور ہم آہنگی ضروری تھی تا کہ مسلم معاشرہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے پینتالیس یا پچاس آدمیوں کے درمیان رشتہ مواخات قائم کر دیا۔حضرت انس کے گھر ان لوگوں نے حلف اٹھایا اور رشتہ مواخات میں بندھ گئے۔ابن سعد نے اس کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

لما قدم رسول الله ﷺ المدينة آخى بين المهاجرين بعضهم لبعض و آخى بين المهاجرين و الانصار آخى بينهم على الحق والمواساة و يتوارثون بعد الممات دون ذوى الارحام و كانو اتسعين رجلاً خمسة و اربعون من المهاجرين و خمسة واربعون من الانصار و يقال كانوا مائة خمسون من المهاجرين و خمسون من الانصار و كان ذلك قبل بدر فلما كانت وقعت بدر و انزل الله تعالى "و اولو الا رحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله ان الله بكل شى عليم" فنسخت هذه الاية ما كان قبلها و انقطعت المواخاة فى الميراث و رجع كل انسان الى نسبه و ورثه ذورحمة۔

(ابن سعد:238/1)

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین وانصار کا باہم اس شرط پر عقد مواخات کر دیا کہ حق پر ساتھ دیں گے۔باہم ہمدردی وغم خواری کریں گے اور ذوی الارحام مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔یہ نوے آدمی تھے۔پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار۔میں سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سو تھے۔پچاس مہاجرین سے اور پچاس انصار سے۔یہ غزوہ بدر سے پہلے تک تھا جب جنگ بدر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔تو اس آیت نے ماقبل حکم کو منسوخ کر دیا۔میراث کے بارے میں مواخات ختم ہوگئی۔اور ہر انسان کی میراث اس کے نسب کی طرف لوٹ گئی۔ذو رحم ہی وارث قرار پائے۔

اس طرح ابتداء ہی میں مسلم معاشرے کو ایک لڑی میں پرو کر آپ ﷺ نے ان قبائل و افراد کو ایک ہی ساعت میں شیر و شکر کر دیا۔ جو صدیوں سے تیر و تلوار کی زبان میں بات کرتے چلے آ رہے تھے۔ بلا ریب یہ سرکار دو عالم ﷺ کی بصیرت، حکمت، دور اندیشی اور انتظامی صلاحیت ہی تھی۔

بقول محمد حسین ہیکل

"رسول اللہ کی فکر نو جس میں آپ ﷺ سابقہ انبیاء کرام سے منفرد تھے ایک نئی طرح کی فکر تھی جسے آنحضرت ﷺ نے اس وقت نظر اور دور اندیشی کے بعد قائم کیا تھا کہ صاحب دانش کو آپ ﷺ کی اصابت فکر کے سامنے سر جھکائے بغیر چارہ نہ رہے۔ یہ کہ جدید وطن کو ایسی وحدت میں منسلک کیا جائے جو آج تک عرب کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکی۔ (حیات محمد: 264)

اہمیت مواخات:۔

اگر مدینہ منورہ کے ہجرت کے فوراً بعد کے حالات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ عبداللہ ابن ابی سرداری اور حکمرانی کے چھن جانے کی وجہ سے حسد اور بغض کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس نے اپنے ارد گرد شر پسندوں کا ایک ٹولہ جمع کر لیا۔ اور اسلام اور مسلمانوں کو انہی کے خیر خواہ بن کر نقصان پہنچانے کا عزم بالجزم کر لیا۔ منافقین، مسلمانوں میں، خاص کر اوس خزرج کے درمیان پرانی دشمنیوں کو ہوا دینے کے لیے اور پھوٹ ڈلوانے کے لیے پر تول رہے تھے اور مہاجرین و انصار کے درمیان بھی علاقائی تعصب پیدا کر کے کدورت اور نا اتفاقی ڈالنا چاہ رہے تھے۔ ان حالات میں مواخات کی حکمت و سیاست کی اہمیت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ مواخات نے منافقین کے تمام ناپاک منصوبوں پر پانی پھیر دیا اور مسلمانوں نے اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کی بے مثال تاریخ رقم کر دی۔

اس ضمن میں علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا نکتہ نظر یوں ہے۔

"ہجرت مدینہ کے بعد انصار و مہاجرین میں اعتماد و احترام کی فضا قائم کر کے انہیں باطل استحصالی قوتوں کے خلاف ایک موثر عسکری قوت میں تبدیل کرنا ریاست مدینہ کی ترجیحات میں سر فہرست تھا کیونکہ کفار و مشرکین کی طرف سے مدینہ منورہ پر حملہ کسی بھی وقت متوقع تھا۔ دشمنان اسلام کی کوشش تھی کہ اسلام کو مدینے کی سرزمین پر پاؤں جمانے اور سماجی و ثقافتی سطح پر اس کے اثرات

پھیلنے سے پہلے ہی خاکم بدہن اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں کے قرآنی فیصلے کوحضور ﷺ ختمی مرتبت نے صرف اعلان تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اسے عملی صورت بھی دی اور اپنے اس عمل کو نتیجہ خیز بھی بنایا۔(سیرت الرسول:80/6)

## (2)میثاق مدینہ (Madina pact):۔

مواخات کے ذریعے اندرونی طور پر سلطنت مدینہ کواستحکام حاصل ہوگیا۔سازشیں دم توڑ گئیں منافقین کے عزائم خاک میں مل گئے۔مسلمان اخوت ومحبت کی ڈور میں بندھ گئے۔حاسدین دانت پیستے ہی رہ گئے۔

داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ کسی بھی ریاست کے لیے اسکی سرحدوں کا محفوظ و مامون ہونا بھی بہت اہم ہے۔بیرونی سازشی عناصر اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ و مامون رہ کر ہی سلطنت اندرونی استحکام اور ترقی کی طرف گامزن ہوسکتی ہے۔

اس اصول کے پیش نظر آپ ﷺ نے مدینہ کی نومولود اسلامی سلطنت کو اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ تر کرنے کے لیے میثاق مدینہ کا جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا وہ تاریخ میں سنہرے حروف سے جگمگا رہا ہے اور آپ ﷺ کی تنظیمی وانتظامی صلاحیتوں کا بین ثبوت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے مدینہ کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماتے وقت کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد علوی یوں لکھتے ہیں۔

"آپ ﷺ جب مدینہ شریف لائے تو یہاں نراج کی کیفیت تھی۔مختلف قبائل کے درمیان چپقلش تھی اور یہود،اوس خزرج کے درمیان مستقل اور پائیدار امن نہیں ہونے دیتے تھے۔اوس خزرج کے بارہ قبائل تھے۔اسی طرح یہودی بھی دس قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ہر قبیلہ اپنے امور خود طے کرتا تھا اور کوئی مرکزی شہری نظام نہ تھا۔ان حالات میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے "۔(انسان کامل:319)

گویا سیاسی،معاشرتی،اقتصادی،نظریاتی اور مذہبی وحدت کا ادنیٰ سا نمونہ بھی موجود نہ تھا۔ہر کوئی اپنے اپنے منہ والا تھا۔نسبی طور پر قبائل کی تقسیم تھی علاقائی سطح پر مرکزی حکومت نہ تھی۔

ان حالات میں بکھرے قبائل کو یکجا کرنا انہیں آپس میں مذہبی طور پر متحد کرنا،ان کے درمیان

اخوت ومحبت کو فروغ دینا اور پھر میثاق مدینہ کی شکل میں دیگر عرب غیر مسلم قبائل خصوصاً یہود کے ساتھ دفاعی معاہدے کرنا اور اقتدار اعلیٰ سارے کا سارا اپنے ہاتھ میں لے لینا بلاشبہ آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی، بصیرت فہم وفراست اور تدبر کی زندہ مثال ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اعلیٰ وارفع انتظامی صلاحیتوں کا آئینہ دار بھی ہے۔

بقول محمد شریف قاضی

"میثاق مدینہ دراصل اسلامی دستور کی تدوین کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسے آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرے فرماتے ہی مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے سرانجام دیا۔ اس پر جن شرکاء نے بالاتفاق دستخط کئے ان میں تو ایک آپ ﷺ خود تھے، دوسرے مہاجرین مکہ، تیسرے انصار مدینہ اور چوتھے وہاں کے یہودی اور دیگر غیر مسلم لوگ"۔ (اسوہ حسنہ: 88)

اس دستور کی چند اہم دفعات یہ تھیں۔

1۔ مدینہ طیبہ کی اس نئی تشکیل کردہ اسلامی ریاست میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور اسی کے قانون کو بالادستی و بنیادی حیثیت بھی حاصل ہوگی۔

2۔ میثاق مدینہ کے پاس ہو جانے کے بعد آپ دستوری طور پر بھی مذہبی اور سیاسی، قانونی وعدالتی اور صلح وجنگ کے معاملات میں فیصل اور سند آخر قرار پائے۔ یعنی آپ ﷺ کو وہی حیثیت حاصل ہوگئی جو کسی ملک میں ایک صدر مملکت کو حاصل ہوتی ہے۔

3۔ اس میں یہ بھی بالاتفاق طے ہوگیا کہ اگر کوئی باہر سے یہاں پر حملہ آور ہوتا ہے تو اسکا مقابلہ تمام شرکاء مل کر کریں گے اور صلح کی صورت میں سب کو صلح کرنا ہوگی۔

برادران محترم! ایک دور دراز علاقے میں جا کر وہاں کی نہ صرف حکمرانی حاصل کرنا بلکہ مقامی افراد کا فیصل وحکم مقرر ہو جانا اور تمام حامی ومخالفین کے ساتھ معاہدات کرنا آپ ﷺ کی بصیرت، حکمت، تدبر، فہم وفراست اور انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

اہمیت میثاق:۔

اگر اندرونی طور پر مسلمانوں کے دشمن منافقین تھے تو بیرونی اور نظریاتی طور پر دوسرے بڑے سخت دشمن یہود تھے۔ ان کی طرف سے شرانگیزی کا ایک مستقل خطرہ تھا۔ میثاق مدینہ کے

ذریعے آپ ﷺ نے اس خطرے کو نہایت ہی خوبصورتی سے رفع کر دیا۔ میثاق مدینہ کا یہ اثر ہوا کہ وقتی طور پر کچھ عرصہ کے لیے مسلمان اور اسلام یہود کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو گئے اور پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے حکمت، سیاست اور تدبر سے نہ صرف یہود کو مدینہ سے باہر نکال دیا بلکہ انکے تمام قلعہ جات کو میثاق کی خلاف ورزی کی بناء پر فتح بھی کر لیا۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقمطراز ہیں۔

"حضور رحمت عالم ایک مدبر کی حیثیت سے ممکنہ خطرات کو کم کرنے کے لیے بلا امتیاز مذہب مدینہ منورہ کے جملہ باشندگان کو متحد کیا۔ انصار مہاجرین اور یہودیوں کو شامل کر کے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس کے مطابق مشترکہ مفادات کے تحفظ کی خاطر باہمی تعاون مقصود تھا۔ اس وسیع البنیاد منشور کی نوعیت بیک وقت اجتماعی، دفاعی، اقتصادی اور سیاسی تھی اس اتحاد کو میثاق مدینہ کا نام دیا گیا" (سیرت الرسول:106/6)

ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں

اس وقت متعدد فوری ضروریات تھیں۔

1۔ اپنے و مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

2۔ مہاجرین مکہ کے توطن و بسر برد کا انتظام۔

3۔ شہر کے غیر مسلم عربوں خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ۔

4۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مداخلت کا اہتمام۔

5۔ قریش مکہ سے مہاجرین و پہنچے ہوئے مالی نقصانات کا بدلہ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی:217)

ان متعدد اور فوری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے دو اہم قدم اٹھائے ایک میثاق مدینہ کا اور دوسرا مواخات کا۔ یوں آپ ﷺ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو استحکام بخشا۔ مسلمانوں کے جان و مال کو محفوظ فرمایا اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے پر امن ماحول پیدا فرمایا۔

میثاق مدینہ سے باقاعدہ تحریری صورت میں آپ کے منتظم اعلیٰ ہونے کا اعلان ہو گیا۔

ڈاکٹر خالد علوی کے بقول

"آنحضرت نے ہجرت کر کے مدینے آنے کے چند دن بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جسے اسی

دستاویز میں کتاب اور صحیفہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔جس کے معنی دستور العمل اور فرائض نامے کے ہیں۔اصل میں یہ شہر مدینہ کو پہلی دفعہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا اس معاہدے سے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مستحکم نظم عطا کیا۔اس دستاویز نے نبی اکرم ﷺ کو ایک منتظم اعلیٰ کی حیثیت دی اور یہ آپ ﷺ کی زبردست کامیابی تھی"۔
(انسان کامل:320)

یثاق مدینہ کے اہمیت کے حوالے سے محمد شریف قاضی رقمطراز ہیں۔

"یثاق مدینہ حضور ﷺ کی خداداد بصیرت،سیاسی حکمت عملی اور دوراندیشی کا ایک عظیم کارنامہ تھا اس کے پاس ہو جانے کے بعد مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست کو ایک ایسا آئینی وقانونی اور مذہبی وسیاسی استحکام نصیب ہو گیا جسکی وجہ سے مدینہ طیبہ کی یہ محدود بستی ایک ناقابل تسخیر اسلامی ریاست بن گئی جو فی الواقع بعد میں دشمنوں کے لیے لوہے کے چنے ثابت ہوئی"۔(اسوہ حسنہ:88)

3۔رہائشی انتظامات(Residential Administration):۔

روز اول سے کپڑا،روٹی اور مکان انسان کی تین بنیادی ضروریات رہی ہیں کیونکہ ان کے بغیر گذارہ نہیں۔مکہ سے اکثر مہاجرین بے سروسامانی کی حالت میں گئے تھے۔مدینہ میں ان کی کوئی زمین یا رہائشی مکان بھی نہ تھا۔اور یہ چیز از حد ضروری بھی تھی۔چنانچہ آپ ﷺ نے مواخات کے ذریعے ان تینوں چیزوں کا بطریق احسن انتظام فرما دیا یوں ایک بہت بڑا مسئلہ چشم زدن میں حل ہو گیا۔

اس کے علاوہ مسجد نبوی کی تعمیر اور حجرات کی تعمیر و دیگر رہائشی انتظامات بھی آپ ﷺ نے بطریق احسن پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

(i) تعمیر مسجد نبوی:۔

مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ نے جس چیز کی فکر فرمائی وہ یہ تھی کہ ایک مسجد تعمیر کی جائے کیونکہ اسی مسجد نے مسلمانوں کی ریاست کے سیکرٹریٹ،عدالت عظمیٰ،اجتماع گاہ،تربیت گاہ،یونیورسٹی،مشاورت گاہ اور دیگر تمام مذہبی،سیاسی و عسکری سرگرمیوں کا مرکز بننا تھا۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق جس جگہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی تعمیر فرمائی اس جگہ پر پہلے مسلمان نماز کے لیے جمع ہوا کرتے تھے اور اسعد بن زرارہ وہاں جماعت کراتے تھے اور جمعہ بھی وہیں ہوتا تھا۔ یہ وہ دو یتیم لڑکوں (سہل اور سہیل) کی زمین تھی جو اسعد بن زرارہ کی سرپرستی میں تھے یہ زمین ان دونوں سے دس دینار میں خرید لی گئی۔ اس میں کھجور کے درخت تھے، کچھ زمین زیر کاشت تھی کچھ خراب تھی۔ اور کچھ مشرکین کی پرانی قبریں تھیں۔ زمین حاصل کرنے کے بعد اسے صاف کر دیا گیا۔ خراب کو ہموار کر دیا گیا۔ قبریں اکھاڑ ڈالی گئیں۔ درخت کاٹ کر ان تنوں سے مسجد کے ستون اور پتوں سے چھت بنا دی گئی۔ کچی اینٹوں اور گارے سے دیواریں تعمیر کی گئیں اور خالی زمین کا فرش رہنے دیا گیا بعد میں جب بارش کیچڑ ہونے لگی تھی تو کچے فرش پر کنکریاں بچھا دی گئیں بعد میں جب گرمی ستانے لگی تو اوپر گارے کا لیپ کر دیا گیا۔ (ابن سعد: 239/1)

اس طرح مسجد نبوی کی تعمیر سے مسلمانوں کا ایک مرکز قائم ہو گیا جو ان کی تمام تر سیاسی، مذہبی، عدالتی و ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

**(ii) صفہ کا چبوترہ:۔**

مسجد نبوی کے ساتھ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت کے لیے صفہ کا چبوترہ بنایا گیا۔ یہ ایک درس گاہ تو تھی ہی ساتھ ساتھ طلباء کے لیے رہائش گاہ بھی تھی۔ (ابن سعد: 255/1)

**(iii) حجروں کی تعمیر:۔**

مسجد نبوی سے متصل ہی حضور نے ایک جانب اپنے لیے دو گھر بنائے ایک حضرت سودہ کے لیے اور ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ ان کی تعمیر بھی مسجد نبوی کی ہی طرح تھی۔ دروازوں پر موٹے کمبل تھے۔ دونوں حجروں کو الگ الگ کیا گیا تھا۔ سات ماہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کے بعد آپ ﷺ ان حجروں میں تشریف لے آئے۔ (تلخیص سیرت سرور عالم: 737-48/2)

اس طرح آپ ﷺ نے اپنے لیے بھی رہائش گاہ کا بندوبست فرمایا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رشتہ مواخات میں جوڑ کر یہ مسئلہ حل فرما دیا اور جو باقی صحابہ بچ گئے جنکا اہل وعیال والا مسئلہ نہ تھا انہیں صفہ کی شکل میں مسجد نبوی کے جوار میں رہائش گاہ مل گئی۔ اتنا اہم اور مشکل ترین کام آپ ﷺ نے اپنے حسن انتظام سے نہایت احسن و اکمل انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

## (4) اسلامی حکومت (Islamic Government):۔

کسی بھی قسم کی علاقائی، ملکی یا بین الاقوامی تحریک کے لیے ایک مرکز کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ جہاں پر تحریک کے مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں غور خوض کیا جاتا ہے۔ دعاۃ کی تربیت کی جاتی ہے پھر ان کے ذمہ مختلف ذمہ داریاں سپرد کی جاتی ہیں۔ مرکز کا قیام اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ سکون و آرام کے ساتھ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کام کیا جائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ لیظہرہ علی الدین کلہ کا عظیم مشن اور مقصد لیکر مبعوث ہوئے اور ساری دنیا کو توحید و رسالت کے نور سے جگمگانے کے لیے تشریف لائے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے ایک ایسے خطہ زمین کا ہونا ضروری تھا جہاں پر اللہ کا قانون نافذ کر کے خلق خدا کو اس کے ثمرات سے متمتع کیا جاسکے اور عالمی مشن کے مقاصد کے حصول کے لیے قوت نافذہ حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کی جائے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی شکل میں خطہ زمین حاصل ہو گیا اور میثاق مدینہ سے اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی۔ یوں میثاق مدینہ اسلامی ریاست کی بنیاد ثابت ہوا۔ یہاں سے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ اب تک آپ ﷺ کے تدبر و فراست کے تمام پہلو ایسے مرکز اسلام کے قیام پر مرکوز تھے جہاں سے دعوت حق کو مربوط، منظم اور موثر انداز سے پھیلایا جاسکے اس طرح آپ ﷺ کی تمام سابقہ کوششیں ایک مدبر، منتظم اور داعی کی حیثیت سے تھیں لیکن "منتظم سلطنت" کی نہ تھیں۔

مدینہ میں میثاق مدینہ کے ساتھ ہی آپ ﷺ ایک "منتظم ریاست" کی حیثیت سے سامنے آئے۔ آپ ﷺ کے پیش نظر امن و امان سے مملو صالح معاشرہ کا قیام تھا اور اس کے لیے حکومت کا ہونا از بس ضروری تھا۔ چنانچہ اسلامی حکومت کا قیام زور شور سے سامنے آیا کیونکہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں اس کے مقاصد کا واضح تعین فرما دیا تھا۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (الحج:41/22)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ سب کاموں کا انجام کار اللہ کی طرف ہے۔

اس طرح آپ بحیثیت منتظم ریاست سامنے آئے۔ زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ منتظم ریاست کی حیثیت سے چند ایک اہم امور جو آپ ﷺ نے سرانجام دیے ان کی تفصیل یہ ہے۔

## (1) منظم تبلیغ و اشاعت اسلام ( Organized Preaching & Propagation of Islam)

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا مقصد وحید یہ تھا کہ اس کرہ ارض پر الوہی نظام کا قیام عمل میں لایا جائے اور چار دانگ عالم میں نعرہ توحید گونج اٹھے۔ اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے درج ذیل اقدامات کیے۔

(ا) صفہ کی شکل میں ایک باقاعدہ درس گاہ قائم فرمائی۔ جہاں سے دعاۃ کی تیاری عمل میں آتی تھی اور انہیں تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کر کے مختلف مقامات پر تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

(ب) عام قبائل میں دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لیے آپ ﷺ لوگوں کے بھیجا کرتے تھے۔ (انسان کامل:325)

(ج) بعض بڑے بڑے مقامات اور قبائل میں تربیت یافتہ معلم بھیجے جاتے تھے۔ کچھ گورنروں اور ولاۃ کے فرائض میں بھی اپنے ماتحت لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کام شامل کر دیا جاتا تھا۔ یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام طویل تقرر نامے میں علوم دینیہ کی تعلیم دینے کا ذکر موجود ہے۔

وقد کان رسول اللہ ﷺ قد بعث الیهم بعد ان ولی و فلهم عمر بن حزم لیفقهھم فی الدین و یعلمهم السنة و معالم الا سلام۔۔۔۔و یستالف الناس حتی یفقهوا فی الدین و یعلم الناس معالم الحج و السنة و فریضته و ما امر اللہ به۔(ابن هشام :242/4)

اس وفد کے واپس جانے کے بعد رسول اللہ نے عمرو بن حزم کو بنو الحارث بن کعب کی طرف بھیج دیا تھا کہ وہاں جا کر ان میں دین کا فہم پیدا کریں اور انہیں سنت رسول اور اسلام کی تعلیمات سکھائیں۔۔۔۔اور لوگوں کو اپنے آپ سے مانوس کریں ان میں دین کا فہم پیدا کیا جا سکے اور حج کے شعائر سنن اور واجبات و فرائض بتائیں۔

(د) سعید بن العاص کو آپ ﷺ نے خاص کر لکھنے پڑھنے کی تعلیم پر مامور کیا۔ (انسان کامل:325)
اسی طرح غزوہ بدر کے قیدیوں کے ذمہ بھی آپ ﷺ نے کم از کم دس آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا فدیہ مقرر فرمایا جس کا مقصد تبلیغ و اشاعت اسلام ہی تھا۔

## (2) استحکام ریاست (Solidarity of the state):۔

مدینہ کی ریاست کو اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ و مامون کرنے کے لیے اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے آپ ﷺ نے مسلسل تدابیر اختیار فرمائیں۔
مواخات اور میثاق مدینہ اسی سلسلے کی کڑی تھے۔ ان کے علاوہ بھی آپ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد دیگر قریبی قبائل سے معاہدات کیے تاکہ امن وامان قائم ہو اور ریاست مستحکم ہو۔
آپ ﷺ نے ایک تدبیر یہ بھی اختیار فرمائی کہ عرب میں جو فرد، قبیلہ یا خاندان اسلام قبول کرے وہ ہجرت کر کے مدینہ یا اس کے مضافات میں آباد ہو جائے تاکہ آبادی میں اضافہ سے افرادی قوت زیادہ میسر آئے اور فوجی وسیاسی پوزیشن زیادہ مضبوط ہو۔ (انسان کامل:325)

## (3) انتظامی تدابیر (Administrative Policies):۔

کسی بھی ریاست کو کامیاب ریاست بنانے کے لیے اس کے انتظامی ڈھانچہ کا مضبوط، منظم مستحکم اور فعال بنیادوں پر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ منتظم اعلیٰ تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس سلسلے میں انتظامی تدابیر اختیار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے مختلف امور کی انجام دہی کے لیے محکمے قائم فرمائے جو دور حاضر کی طرح منظم تو نہ تھے لیکن اپنے کام کے حوالے سے اور اس دور کی ضروریات کے حوالے سے فعال اور منظم تھے۔ ان اہم شعبوں کی تفصیل یہ ہے۔

### (ا) وزارت نبوی:۔

انتظام ریاست میں بعض امور کا تعلق وحی اور الہام سے بھی ہوتا تھا اس میں کسی قسم کے مشورے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ لیکن آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف امور و معاملات میں مشورہ طلب فرماتے تھے۔ اور پھر یہ حکم الٰہی بھی ہے۔

وشاورهم فی الامر۔ (آل عمران 159:3) | اور اہم کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

چنانچہ آپ ﷺ خصوصی طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔اسی وجہ سے وہ عرب جو قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی سلطنتوں کے نظام حکمرانی سے واقفیت رکھتے تھے وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا وزیر کہا کرتے تھے۔(مقدمہ ابن خلدون:204)

اس طرح مختلف معاملات میں یہ حضرات آپ ﷺ کے مشیر ہوتے تھے۔سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ،سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ،سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ،سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ،سیدنا حضرت عمار رضی اللہ عنہ،حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ،حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ،حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔(مسلمانوں کا نظم مملکت: 191)

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا طرز حکمرانی و نظم مملکت شورائی تھا۔

## (ب) ملکی تقسیم:۔

ملکی انتظام و انصرام چلانے کے لیے سلطنت کو انتظامی حوالے سے مختلف حصوں (مثلاً ضلع، ڈویژن صوبہ وغیرہ) میں تقسیم کرنا دور جدید کی انتظامیات کا ایک اہم جزو ہے۔

آپ ﷺ کے حسن انتظام میں یہ پہلو بھی شامل ہے۔ملکی تقسیم کے ذریعے داخلی طور پر سلطنت مدینہ کو اور بھی استحکام نصیب ہوا۔مدینہ کے بعض علاقے معاہدات کے ذریعے اور بعض فتوحات کے ذریعے آپ ﷺ کے زیر انتظام آئے۔مفتوحہ علاقوں میں آپ ﷺ نے گورنر مقرر فرمائے اور معاہدات کے ذریعے اسلامی حکومت میں شامل ہونے والے علاقوں کے حکمران وہیں کے مقامی امراء ہی رہنے دیئے گئے خواہ وہ مسلمان ہو گئے یا جزیہ دینا قبول کر لیا۔آپ نے نظم مملکت چلانے کے لیے مندرجہ ذیل عاملین وولاۃ مقرر فرمائے اور ملکی تقسیم کچھ اس طرح سے تھی۔

| | |
|---|---|
| i۔مملکت بحرین:۔ | اسکا رئیس منذر بن ساویٰ مسلمان ہو گیا تھا۔اس کے علاوہ علاء بن حضرمی بھی اسکے گورنر رہے۔ |
| ii۔مملکت عمان | عمرو بن العاص |
| iii۔امارت تیماء | اسکا حاکم یہودی تھا بعد میں یزید بن ابی سفیان کو مقرر کیا گیا۔ |

iv۔ مکہ — عتاب بن اسید

v۔ امارت ایلہ — یہاں کا حکمران عیسائی تھا۔

vi۔ حضرت موت — یہاں زیاد بن لبید گورنر تھے۔

vii۔ امارت دومتہ الجندل — یہاں ایک عیسائی حاکم تھا۔

viii۔ کندہ — یہاں خالد بن سعید گورنر تھے۔

ix۔ امارت نجران — یہاں شروع میں عیسائی حاکم تھا بعد میں عمرو بن حزم گورنر بنے۔

x۔ صوبہ یمن — یہ مختلف حصوں میں تقسیم تھا اس میں صنعاء کا حکمران مسلمان تھا۔

اس مملکت میں مسلمان، یہودی، عیسائی اور مجوسی آباد تھے۔ لیکن سرکاری مذہب اسلام تھا۔
(اسلام کا سیاسی نظام:38)

## (ج) افسران کا تقرر:۔

دور نبوی ﷺ میں اگرچہ آجکل کے انتظامی محکمہ جات کی طرح باقاعدہ طور پر ایک جماعت یا ٹیم نہ ہوتی تھی جو کسی محکمہ یا ادارہ کو چلاتی۔ لیکن آپ ﷺ نے ملکی نظم و نسق چلانے کے لیے بعض خاص محکمہ جات اور علاقہ جات کے لیے افسران کو مقرر فرمایا کیونکہ کسی بھی کام کو اچھے طریقے سے کرنے کے لیے اس کام کے کرنے والے افراد کے لیے Higher Authority کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بصورت دیگر کام کی نگرانی اچھی طرح سے نہیں ہو سکتی۔
آپ ﷺ نے جو افسر مقرر کیے تھے ان میں سے اکثر کے ذمے کئی کئی کام ہوتے تھے۔ یہ افسران حاکم صوبہ یا والیٔ صوبہ تو ہوتے ہی تھے اس کے ساتھ ساتھ داعی اور مبلغ اسلام بھی ہوتے تھے۔ معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے اور بعض اس کے ساتھ ساتھ قاضی القضاۃ (یعنی علاقے کے Chief Justice) بھی ہوتے تھے اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ ان افراد کی قابلیت و صلاحیت کو پرکھ اور جانچ کر ان کا تقرر فرماتے تھے تقرری میں یہ اصول کارفرما ہوتا تھا کہ اگر کوئی خود امیدوار ہوتا تو اس کی درخواست رد کر دی جاتی تھی۔

عن عبد الرحمن بن سمرة قال قال لي رسول الله يا عبد الرحمن بن سمر ة لا تسئل الامارة فانك ان اعطيتها عن مسئلة و كلت فيها الى نفسك وان اعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها

عبدالرحمٰن بن سمرة سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا حکومت کا کبھی سوال نہ کرنا کیونکہ تمھارے مانگنے پر اگر وہ تمھیں دی گئی تو تمھیں تمھارے نفس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تمھیں بغیر مانگے دی گئی تو اس پر تمھاری مدد کی جائے گی۔

عن ابی موسی ﷜ قال انطلقت مع رجلين الى النبی ﷺ فتشهد احدهما ثم قال جئنا لتستعين بها على عملك فقال الاخر مثل قول صاحبه فقال ان اخوانكم عندنا من طلبه فاعتذر ابو موسى الى النبی وقال لم اعلم لما جاء فلم يستعن بهما على شئی حتی مات۔(سنن ابی داؤد :50-51/2)

حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دو آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوا ان میں سے ہر ایک نے تشہد پڑھ کر کہا کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ امور مملکت میں ہماری خدمات لیجیے۔ دوسرے نے بھی وہی بات کی جو اس کے ساتھی نے کہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمھارے بھائی ہمارے پاس کیا طلب کر رہے ہیں (گویا آپ ﷺ ناراض ہوئے) حضرت ابو موسیٰ نے معذرت کی اور عرض کیا مجھے معلوم نہ تھا کہ کس کام کی غرض سے یہ حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ آخر دم تک آپ ﷺ نے ان سے کسی کام میں مدد نہ لی۔

اس طرح گویا عمال، افسران اور ولاۃ وغیرہ کے تقرر میں یہ آیت کریمہ مدنظر ہوا کرتی تھی۔

ان الله يا مركم ان تو دوا الا مانات الى اهلها۔(النساء4:58)

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہیں لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔

## (د) تنخواہیں (Salaries)

جب کسی کام کے لیے کوئی فرد اپنا وقت صرف کرتا ہے اور خدمات پیش کرتا ہے تو اس کے صلے میں اسے گھر کاروبار چلانے کے لیے کچھ نہ کچھ معاوضہ دیا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر کون کسی کی ضروریات کا خیال رکھنے والا ہوسکتا تھا۔ چنانچہ افسروں کا تقرر کرتے وقت ان کی تنخواہیں مقرر ہوتی تھیں۔ اگرچہ ہر ماہ باقاعدہ تنخواہ تو نہ ہوتی تھی لیکن اخراجات چلانے کے لیے مختلف مدات میں ولاۃ یا عمال اپنا خرچ بیت المال سے لے لیتے تھے اس سلسلے میں ان کا مواخذہ بھی ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| من کان لنا عاملاً فلیکتسب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادماً و ان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکناً من اتخذ غیر ذلك فهو غال او سارق۔ | جو شخص عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچہ لینا چاہیے اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم رکھ سکتا ہے اگر مکان نہ ہو تو گھر بنا سکتا ہے لیکن کوئی اس سے زیادہ لے گا تو خائن ہوگا یا چور ہوگا۔ |

(ابو داؤد کتاب الامارة: 53/2)

اس طرح اخلاقی حوالے سے بھی اور اسلام کے تصور آخرت کے حوالے سے بھی ایسے فرد کو گناہ گار قرار دیا گیا جو بددیانتی سے سرکاری رقم ہتھیا لے یا اس کا ناجائز استعمال کرے۔ آپ ﷺ نے عمال کی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے بیوی بچوں کا خرچ، خادم اور مکان تک لینے کی اجازت مرحمت فرمائی کیونکہ یہ بنیادی ضروریات ہیں چنانچہ آپ ﷺ کا یہ اقدام عامل کو فکر معاش سے آزاد کردینے والا تھا۔ اسے مزید ناجائز مال کمانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی عمال یا ولاۃ کو باقاعدہ تنخواہ کے حوالے سے بھی چند ایک روایات ملتی ہیں مثلاً آپ ﷺ نے سب سے پہلے عتاب بن اسید کو مکہ کا والی منتخب فرمایا۔ تو انہیں ایک درہم یومیہ تنخواہ ملتی تھی۔

ورنہ اس سے قبل باقاعدہ تنخواہ کا معمول نہ تھا بلکہ مال غنیمت وفتوحات سے عمال اور گورنر وغیرہ اپنا حصہ لے لیتے تھے عمال کے لیے رشوت لینا سختی سے ممنوع تھا۔ تحائف بھی قبول نہ کرسکتے تھے نہ کسی قسم کا کاروبار کرسکتے تھے۔ (مسلمانوں کا نظم مملکت: 192)

## (ر) احتساب کا قیام (Accountability):۔

انسانی فطرت میں خاصی خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور پھر نفس امارہ اسے اکثر گناہ پر ابھارتا رہتا ہے۔ چنانچہ اگر ترغیب کے ساتھ ساتھ ترہیب کا عمل اور جزا کے ساتھ ساتھ سزا کا عمل نہ ہو تو بدی اور بدعنوانی کو قابو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں احتساب، نگرانی و تفتیش خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اس سے محکمہ جات میں کافی حد تک شفاف نظام قائم رہتا ہے۔ اور نظام میں خرابی نہیں آپاتی۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس قومی و ملی ضرورت کو محسوس فرمایا۔ اگرچہ آپ ﷺ نے باقاعدہ طور پر محکمہ احتساب تو قائم نہ فرمایا تھا لیکن دلائل و گواہی اور شہادات سے تحقیق کو پایہ ثبوت تک پہنچا کر ضروری ایکشن لیتے تھے۔ آپ ﷺ یہ فریضہ انجام دیا کرتے تھے اور تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔

عن الزھری عن سالم عن ابیه قال رایت الذین یشترون الطعام مجازفة یضربون علی عھد رسول الله ﷺ ان یبیعوہ حتی یوووہ الی رحالھم۔ (بخاری کتاب البیوع والتجارہ: 286/1)

زہری سالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ جو لوگ غلہ اندازہ سے خریدتے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انہیں سزا دی جاتی تھی تاکہ اس کو اپنے ٹھکانوں پر لے جا کر بیچیں

عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی مدینہ میں آنے کے بعد ہی آپ ﷺ نے ان اصلاحات کو جاری فرما دیا تھا۔ تمام لوگوں سے اس پر عمل کروایا جاتا تھا جو عمل نہ کرتے تھے انہیں سزائیں دی جاتی تھیں۔

عن ابن عباس قال کانت عکاظ و مجنة و ذوالمجارہ اسواقاً فی الجاھلیة فلما کان الاسلام فکانھم تاثموا فیه فنزلت لیس علیك جناح

ابن عباس سے روایت ہے کہ عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز کے بازار جہالت کے زمانہ میں تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے ان میں تجارت کو برا

ان تبتغوا فضلاً من ربکم فی مواسم الحج۔(صحیح البخاری:286/1)

سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ تم پر کوئی حرج نہیں اس بات میں کہ اپنے رب کا فضل حج کے زمانے میں تلاش کرو۔

یہ بات تو تحقیق شدہ ہے کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں کوئی باقاعدہ جیل خانہ تو نہیں تھا لیکن تاریخی شواہد سے یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ مجرم کو سزا دینے کے لیے مسجد یا گھر میں بند کر دیا جاتا تھا۔اور اس کے مخالف کو اس پر مسلط کر دیا جاتا تھا۔بعض اوقات معاشرتی مقاطعہ کی شکل میں بھی سرزنش کی جاتی تھی۔جس طرح کہ حضرت کعب کی توبہ والے واقعہ سے ظاہر ہے۔اس طرح عُمال اور ولاۃ اور افسروں کے معمولات و مصرفیات پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی اور کسی بھی عامل کی شکایت پہنچتی تو فوری طور پر تحقیقات کروائی جاتیں اور ضروری ایکشن لیا جاتا۔

(مسلمانوں کا نظم مملکت:311)

## (ج) پولیس کا محکمہ (Police):۔

ریاست میں امن وامان کے قیام کے لئے پولیس خاصی اہمیت رکھتی ہے۔جب کسی ریاست میں رہنے والے لوگوں کی جان و مال محفوظ ہوں تو تب ہی ریاست کو استحکام حاصل ہوگا اور وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے گی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد میں اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا ہے اگرچہ اسے باقاعدہ منظم محکمہ کے طور پر متعارف نہیں کرایا گیا تھا اور نہ ہی اسکا نام رکھا گیا تھا۔حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد میں قیس بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔

فصل فیمن کان یضرب الاعناق بین یدیه علی ابن ابی طالب و الزبیربن العوام و المقداد بن عمرو و محمد بن سلمة و عاصم بن ثابت بن ابی

علی ابن طالب، زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، محمد بن سلمہ، عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح اور ضحاک بن سفیان کلابی آپ کی موجودگی میں (مجرموں کی

الاقلح و الضحاك بن سفيان الكلابی و كان قيس بن سعد بن عبادہ الانصاری منه ﷺ بمنزلة صاحب الشرطة من الامیر و وقف المغیرة بن شعبة علی راسه بالسیف یوم الحدیبیة۔(زادالمعاد: 127/1)

گردنیں مارتے تھے اور قیس بن سعد انصاری آپ کے پولیس کے سربراہ کا درجہ رکھتے تھے اور حدیبیہ کے دن مغیرہ بن شعبہ (آپکی حفاظت کے پیش نظر) آپکے سر پر تلوار پکڑ کر کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد خلفاء راشدین خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس محکمہ کی تنظیم و تعمیر ہوئی اور با قاعدہ فعال خطوط پر استوار ہوا۔

## (ط) وفاق یا مرکز حکومت (Capital):۔

ریاست کے تمام علاقوں میں باہم ارتباط کے لیے اور نظام حکومت و سلطنت بطریق احسن و فعال انداز سے چلانے کے لیے ایک مرکز کا ہونا لابدی امر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کو سیکرٹریٹ یا مرکز حکومت کے طور پر منتخب فرمایا۔ آپ تمام ملکی، بین الممالک و بین الاقوامی میٹنگز یہیں منعقد فرماتے تھے۔ تمام سفراء و وفود سے یہیں ملاقات فرماتے تھے۔ گورنروں اور عمال کو ہدایات مسجد نبوی ہی سے روانہ کی جاتی تھیں۔ مسجد نبوی ہر قسم کے سیاسی و مذہبی اجتماعات کا مرکز ہوتی تھی فوجی ودفاعی حکمت عملی بھی یہیں طے ہوتی تھی۔

پروفیسر حتی کے مطابق

"مسجد مسلمانوں کی مشترکہ عبادت، فوج اور سیاسی اجتماع کی جگہ تھی۔ نماز پڑھانے والا امام ہی اہل ایمان کی فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ جملہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ ساری دنیا کے مقابلے میں ایک دوسرے کے محافظ و معاون رہیں۔ غنیمت کا مال مسجد نبوی میں آتا تھا اور یہاں پر ہی اسے مستحقین میں تقسیم کیا کرتے تھے"۔(History Of Arabs:121)

اس طرح ہم جدید اصطلاح میں صدارتی نظام کی رو سے مسجد نبوی کو "ایوان صدر" کہہ سکتے ہیں یا اسے وفاقی سیکرٹریٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور پارلیمانی نظام کی رو سے "وزیر اعظم سیکرٹریٹ" بھی کہا جا سکتا ہے۔

## (ع) امور خارجہ (Foriegn Affairs):۔

ریاست کے داخلی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اسے ہر طرح سے خارجی استحکام بھی حاصل ہو۔ کیونکہ کوئی ریاست اسی وقت ہی تعمیر و ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہو سکتی ہے جب اسے اندرونی و بیرونی ہر دو طرح سے استحکام حاصل ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے تدبر، فہم و فراست اور اعلیٰ تنظیمانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خارجہ امور میں اسلامی سلطنت کو عزت و وقار سے ہمکنار فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کو سمجھنے کے لیے درج ذیل امور کا پیش نظر ہونا ضروری ہے

i۔ غیر متعلق لوگوں تک دعوت اسلام پہنچانا اور تبلیغ و اشاعت اسلام کو توسیع دینے کے لیے کوشش کرنا۔

ii۔ دشمن اور اس کے عزائم سے باخبر رہنا۔ اس کی تدبیروں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنا اور اسے مصالحت پر مجبور کرنا۔

اس طرح آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے تمام تدابیر انہی نکات کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔ ان میں سے چند اہم باتیں یہ ہیں۔

### (۱) دشمن کی قوت کو توڑنا:۔

اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے

1۔ مدینہ میں سراغرسانی کا ایک نظام ترتیب دیا جس کی مدد سے آپ قریش مکہ اور دیگر دشمن قبائل کے احوال و ارادے اور منصوبے معلوم فرماتے رہتے تھے۔ اور ان کا توڑ بھی کرتے رہتے تھے مورخین نے اس بات کی طرف نشاندہی کی ہے کہ مکہ میں آپ کے نامہ نگار موجود ہوتے تھے۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی:268)

2۔ مشرکین مکہ پر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے انہیں تجارتی شاہراہ کے حوالے سے صلح پر مجبور کر دیا۔ قریش کے قافلے گرمیوں میں شمال یعنی شام فلسطین مصر وغیرہ جاتے تھے اور سردیوں میں جنوب یعنی یمن وغیرہ جایا کرتے تھے۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی:269)

ان راستوں کے حوالے سے آپ ﷺ نے ان کے گردا گرد رہنے والے قبائل سے معاہدات کر

لیے جسکی بناء پر یہ راستہ قریش کے لیے غیر محفوظ ہو گیا بلکہ بند ہو کے رہ گیا۔
"شمالی راستہ اس علاقے سے گزرتا تھا جو مدینہ اور ینبوع کے درمیان ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے چند مہینے بعد اس علاقے کے باشندوں سے معاہدے کیے۔(انسان کامل:333)
ان معاہدات کی تکمیل کے بعد قریشی کاروانوں کا راستہ بند کر دیا گیا جب وہ زور دکھانے لگے تو ان قافلوں کو غنیمت سمجھ کر لوٹ لیا جانے لگا۔(عہد نبوی میں نظام حکمرانی:269)
اس طرح آپ ﷺ کے تدبر اور حسن انتظام کی وجہ سے قریش جیسے طاقتور دشمن کو معاشی و اقتصادی حوالے سے ایسی مشکلات درپیش ہوگئیں کہ وہ یا تو مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے یا شکست کے لیے مجبور ہو گئے۔
3۔آپ ﷺ نے قریش کو تنہا کرنے کے لیے یہ پالیسی بھی اختیار فرمائی کہ ان کے حلیف قبائل سے تعلقات استوار کیے جائیں تاکہ مسلمانوں کی پوزیشن مضبوط ہو ان کے دوستوں میں اضافہ ہو۔آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کا یہ اصول بہت حد تک کامیاب ثابت ہوا۔
4۔آپ ﷺ نے دشمن کی تالیف قلوب کا طریقہ کار بھی اختیار فرمایا تاکہ دشمن کے ایک طبقے کا دل موہ لینے کے لیے دولت خرچ کی جائے۔اس کے لیے قرآن نے "مولفتہ القلوب" کی اصطلاح فرمائی ہے۔اس سلسلے میں فتح مکہ سے پہلے ایک مرتبہ وہاں قحط پڑا تو آپ ﷺ نے ابوسفیان کے پاس پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکہ کے محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔اس طرز عمل پر ابوسفیان جھنجلا گیا اور کہنے لگا کہ محمد چاہتا ہے کہ اب مکے کے غرباء اور جوانوں کو ورغلا کر ہمارے خلاف کھڑا کردے۔(المبسوط:91-92/10-91)
مذکورہ بالا طرز عمل آپ ﷺ کی فہم وفراست کا آئینہ دار تھا اسی بناء پر فتح مکہ کے لیے آپ ﷺ کو ایک قطرہ خون بھی نہ بہانا پڑا اور وہ تمام لوگ جو صرف اپنے سرداروں کی مخالفت کی وجہ سے اسلام قبول کرنے میں پس وپیش کررہے تھے فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔
اسی طرح صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے تحت قریش کی تجارت بند ہو چکی تھی ابو سفیان کا روزگار بھی تجارت تھا آپ ﷺ نے مدینہ سے اچھی کھجوروں کی بڑی تعداد بھیجی اور معاوضے میں طائف کا چمڑا طلب فرمایا۔(المبسوط:91-92/10-91)

اس طرح آپ نے اپنے سخت ترین اور مخالف ترین دشمنوں سے بھی اعلیٰ اخلاق و کردار کی بناء پر ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ اور آپ ﷺ کا یہ مقصود کہ دشمن ہمدردی کو محسوس کریں اور دشمنی میں آخری حدوں تک نہ پہنچ جائیں بطریق احسن پورا ہوا۔ اسی وجہ سے فتح مکہ کسی قسم کے جنگ و جدل اور خون بہائے بغیر عمل میں آ گئی اور تمام دشمن اپنی موت آپ مر گئے۔ یہ سب کا سب نبوی انتظام و انصرام اور حکمت و دانائی کا پیش خیمہ تھا۔ اس طرح آپ ﷺ نے نہ صرف دشمنان اسلام کی قوت کو توڑا بلکہ اپنے حسن انتظام سے انہیں تنہا کرنے، مصالحت پر مجبور کرنے اور بالآخر حلقہء اسلام میں داخل کرنے میں کامیاب و کامران ٹھہرے۔

## (ب) تبلیغ و اشاعت اسلام:۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی کا دوسرا بنیادی نکتہ یا اصول اسلام کی نشرو اشاعت کا تھا اس سلسلے میں آپ ﷺ نے اندرون بیرون ریاست دعوت پہنچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لیے دو طریقے اختیار فرمائے۔

i۔ دعوتی خطوط

ii۔ تبلیغ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا سد باب

آپ ﷺ نے جو دعوتی خطوط لکھے وہ تقریباً تمام کے تمام ڈاکٹر حمید اللہ نے بڑی محنت کیساتھ "الو ثائق السیاسیۃ" میں جمع کر دیے ہیں۔ آپ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ اپنا خط ایک سفیر کو دے کر روانہ فرماتے اور مکتوب الیہ کا ردعمل معلوم کرتے چند اہم سفرا کے نام یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ | ہرقل کے پاس تشریف لے گئے۔ |
| حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی | کسریٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ |
| حضرت عمرو بن امیہ | نجاشی کے دربار میں تشریف لے گئے۔ |
| حضرت حاطب بن ابی بلتعہ | مقوقس والی مصر کی طرف تشریف لے گئے۔ |
| حضرت علاء بن حضرمی | منذر بن ساویٰ والی بحرین کے پاس تشریف لے گئے۔ |
| حضرت شجاع بن وھب السہمی | والی غسان کی طرف روانہ ہوئے۔ |

(الاسلام والحضارۃ العربیۃ: 100، انسان کامل: 336)

ان سفراء کے چناؤ کے لیے میرٹ کو بنیاد بنایا جاتا تھا۔ سفیر کی اہلیت صلاحیت، اس کی زبان دانی و زبان فہمی کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔

خطوط پر مہر:۔

چونکہ اس دور میں کسی بھی فرمانروا کی طرف سے خطوط بھیجنے کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ اس کی مہر سے جاری ہوں چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ بھی خطوط پر مہر ثبت فرماتے تھے تاکہ خطوط کی سرکاری اہمیت اور پہچان واضح ہو۔ آپ ﷺ کی مہر مبارک پر یہ الفاظ اس ترتیب سے کندہ ہوتے تھے۔

| اللہ |
|---|
| رسول |
| محمد |

یہ تھی حضور نبی اکرم ﷺ کے بنیادی و ابتدائی انتظامات کی تفصیل جو آپ ﷺ نے مدینہ میں ابتدائی انتظام وانصرام کے سلسلے میں کیے۔

مذکورہ بالا انتظامات میں ایک نظم، تدریج اور اہمیت سے آپ ﷺ کی انتظامی صلاحتیں روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہیں۔

☆۔ سب سے پہلے بنیادی ضروریات روٹی کپڑا اور رہائش کا انتظام مقصود تھا اس سلسلے میں مدینہ کی نوزائیدہ سلطنت اپنے باسیوں کا بوجھ ہرگز نہ سہار سکتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے حسن انتظام سے مواخات کے ذریعے اسکا حل بطریق احسن ڈھونڈ نکالا اور یہ اہم مسئلہ نہایت آسانی سے طے پا گیا۔

☆۔ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت، ریاست کے انتظام وانصرام اور اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے ایک مرکز کی اشد ضرورت تھی آپ ﷺ نے اس سلسلے میں بغیر کسی تاخیر کے مسجد نبوی تعمیر کر کے اس قومی وملی ضرورت کو پورا فرما دیا۔

☆۔ سلطنت کے اندرونی استحکام اور اس کے باسیوں کے درمیان باہم ربط وتعلق اور یگانگت قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کا معاہدہ کر کے سلطنت کو استحکام عطا فرمایا

اور داخلی طور پر تمام خطرات سے محفوظ فرما دیا۔

☆۔ منظم اشاعت اسلام کے لیے دعاۃ کی تیاری، نظام تعلیم و تربیت اور دعوتی و سفارتی خطوط کے ذریعے آپ ﷺ نے ایک منظم نیٹ ورک قائم فرمایا جس کے نتیجے میں اسلام ایک مضبوط قوت بن کر ابھرا اور مدینہ کی ریاست ایک عظیم منظم، فلاحی اور مستحکم مملکت کی شکل میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

یہ سب کا سب اس منتظم اعلیٰ ہی کا رہین منت تھا۔

صلی اللہ علی النبی الامی و الہ و بارك و سلم

# فصل دوم

## مذہبی نظام (Religious System):۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو بحیثیت داعی اول واعظم جس ذمہ داری نبھانے کا حکم فرمایا گیا آپ ﷺ نے کسی حال میں بھی اس سے صرف نظر تو کیا ذرا سا بھی تساہل نہ برتا۔ آپ ﷺ کی شخصیت نہ صرف داعی اعظم کی تھی بلکہ پیغمبر، مصلح، منصف اور ایک سربراہ مملکت کے اختیارات کا اجتماع تھی۔

مکہ میں آپ ﷺ نے شب روز اور صبح ومساء دعوت حق کا کام تندہی سے جاری وساری رکھا۔ کبھی کوہ صفا کو قدوم میمنت لزوم سے شرف یاب فرمایا تو کبھی طائف کی وادیوں میں نغمہ سرائے حق ہوئے۔ کہیں عکاظ وذوالمجنہ کو تبلیغی ودعوتی کام کے لیے استعمال فرمایا تو کہیں فرداً فرداً پیغام حق سنا کر دلوں کو مسخر کیا۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد اس کام میں شدید زور وشور اور جوش وخروش پیدا ہو گیا۔ آپ ﷺ ابتدائی انتظام وانصرام میں مصروف تھے یا دشمنوں سے معاہدات کر رہے تھے، حالت امن وامان میں تھے یا حریفوں کے خلاف میدان جنگ میں صف آراء یا امت واحدہ کی تعمیر وتشکیل میں مصروف تھے۔ کسی بھی حال میں مذہبی سرگرمیوں سے اغماض نہ برتا۔ دعوت و تبلیغ کا کام منظم ومربوط خطوط پر استوار فرمایا۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ خود بنفس نفیس بھی دعوت دیتے اور صحابہ کی جماعتیں بھی منظم فرماتے جنکو خود یا کسی علاقے کے لوگوں کے کہنے پر بھیجا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں مورخین نے بدقسمتی سے اکثر دعوتی وتبلیغی مہمات کو فوجی مہموں میں شامل کر دیا۔ حالانکہ وہ تبلیغی ودعوتی نوعیت کی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے اور اسلام کی شان وشوکت کے اظہار اور قوت وطاقت دکھانے کے لیے اگر مہمات میں اسلحہ لے جایا جاتا رہا تو اس سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوتی کہ وہ سراسر جنگی مہمیں تھیں۔

مذہبی نظام میں دعاۃ، ائمہ مساجد، امراء حج، موذنین اور مفتیان کرام کا ذکر تاریخی ماخذ میں بصراحت ملتا ہے۔ آیئے آئندہ صفحات میں ہم مذہبی نظام کا جائزہ لیتے ہیں۔

## (1) کار دعوت اور دعاۃ کی تنظیم:۔

اہل مدینہ کو بیعت عقبہ اولیٰ سے ہی دعوت کی بنیاد پڑ چکی تھی اس دعوت کو مزید موثر بنانے اور توسیع دینے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو بطور داعی، مبلغ، معلم اور مقری (استاد) بنا کر مدینہ منورہ بھیجا تھا۔

بعث رسول الله ﷺ مصعب بن عمير مع النفر لاثني عشر الذين بايعوه في العقبة الاولىٰ يفقه اهلها و يقرئهم القرآن۔(اسد الغابہ 175/5)

رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر کو ان بارہ آدمیوں (انصار) کے گروہ کے ساتھ بھیجا جنھوں نے عقبہ اولی میں بیعت کی تھی تاکہ وہ انہیں دین سمجھائیں اور قرآن پڑھائیں

اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ ہجرت فرما کر آپ ﷺ نے ذاتی و انفرادی سطح پر بھی براہ راست دعوت کا کام جاری رکھا۔ چنانچہ نخلہ کی ایک مہم کے نتیجے میں ایک مکی قیدی الحکم بن کیسان جب مدینہ لائے گئے تو آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

و كان الذى اسر الحكم بن كيسان المقداد بن عمرو فدعاه رسول الله الى الاسلام فاسلم و قتل ببئر معونة شهيدا۔(ابن سعد:11/2)

اور ان میں سے حکم بن کیسان تھے جنہیں مقداد بن عمرو نے قیدی بنایا تھا انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی۔ وہ اسلام لے آئے اور بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

اسی طرح یہ آپ ﷺ کی دعوت کا ہی نتیجہ تھا کہ اسیران بدر میں سے بھی کئی نے آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔ (الطبری:2/94-290)

اسی طرح یہ بات تاریخی حقائق سے متحقق ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے تمام سالاران سرایا اور امراء لشکر کو یہ ہدایت تھی کہ جنگ کرنے سے پہلے دشمنوں کو اسلام کی دعوت دی

جائے۔دعوت قبول کریں تو فبہا نہ کریں تو صلح پر آمادہ کرلیں۔صلح پر بھی آمادہ نہ ہوں تو تب تلوار اٹھائیں اس سے ظاہر ہوا کہ حالت جنگ میں بھی دعوت کا کام جاری رکھا گیا۔

## (2) دعوتی و تبلیغی جماعتیں اور وفود (Preaching congregations):۔

آپ ﷺ نے متعدد تبلیغی دعوتی جماعتوں کو بھی روانہ کیا اور مختلف علاقوں میں وقتاً فوقتاً وفود بھیجے۔اس سلسلے میں پہلی باقاعدہ جماعت جسکا واضح انداز میں تاریخی ماخذ میں ذکر موجود ہے۔صفر ۴ھ میں منظم کی گئی۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق

ابو براء عامر بن مالک کلابی مدینہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے صحابہ میں سے بعض کو نجد کے علاقے میں دعوت اسلام کے لیے بھیجنے کی درخواست کی۔حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت منذر بن عمرو ساعدی کے ساتھ ستر مبلغین و دعاۃ پر مشتمل ایک جماعت بھیجی لیکن ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکہ کے ساتھ بئر معونہ کے مقام پر بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

(ابن سعد:52/2)

حضور نبی اکرم ﷺ کو ان صحابہ کی شہادت کا شدید رنج ہوا۔ابن سعد کے مطابق عامر نے جب یہ کہا کہ میرے ساتھ صحابہ کی جماعت بھیجیں تو فرمایا۔

فقال انی اخاف علیهم اهل نجد
فقال انالهم جار ان یعوض لهم احد
فبعث معه رسول ﷺ سبعین رجلاً
من الانصار شببة یسمون القراء وامر
علیهم المنذر بن عمرو الساعدی
فلما نزلوا علیها و عسکر وابهاو
سرحوا ظهر هم و قدموا حرام بن
ملحان بکتاب رسول الله ﷺ الی
عامر بن الطفیل فوثب علی حرام
وقتله واستصرخ علیهم بنی عامر
فابوا فاستصرخ غلیهم قبائل من
سلیم عصیة ورعلا و ذکوا ن فنفروا
معه وراً سوه۔۔۔فاحاطوا بهم
فکاثرو هم فتقاتلوا فقتل اصحاب
رسول الله ﷺ۔(ابن سعد :51/2)

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اھل نجد کا خوف ہے۔عامر نے کہا میں ان کے ہمراہ ہوں پھر کیسے کوئی ان کے سامنے آئے گا۔پس رسول ﷺ نے انصار میں سے ستر نوجوانوں کو جو قاری کہلاتے تھے اس کے ہمراہ کر دیا اور ان پر منذر بن عمرو ساعدی کو امیر بنایا جب یہ لوگ بئر معونہ پر اترے وہ لوگ وہیں اترے پڑاؤ کیا اور اپنے اونٹ چھوڑ دیئے انہوں نے پہلے حرام بن ملحان کو رسول اللہ کے خط کیساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا اس نے حرام پر حملہ کر کے شہید کر دیا مسلمانوں کے خلاف اس نے بنی عامر کو بلایا مگر انہوں نے انکار کیا۔پھر اس نے مسلمانوں کے خلاف بنی سلیم سے عصیہ،رعل اور ذکوان کو بلایا وہ اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور اسے اپنا سردار بنا لیا۔انہوں نے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا دشمن تعداد میں زیادہ تھے جنگ ہوئی رسول اللہ کے اصحاب شہید کر دیئے گئے۔

اس کے بعد کئی مذہبی دعوتی و تبلیغی وفود اور جماعتیں مختلف علاقوں میں بھیجی گئیں ان میں بیشتر سرایا و

غزوات بھی شامل ہیں۔

۷ھ کے اوائل میں آپ ﷺ نے متعدد غیر ملکی فرمانرواؤں مثلاً نجاشی، شاہان روم وایران، ملوک مصر، عراق اور شام کے پاس مبلغین وسفراء بھیجے۔ اسی طرح مختلف اوقات میں جزیرہ نمائے عرب کے متعدد علاقہ جات میں بھی وفود بھیجے۔ خصوصاً مکہ فتح ہو جانے کے بعد تو اسلام کی دعوت میں بڑی تیزی سے وسعت آئی اور جزیرہ العرب کے گوشے گوشے میں اسلام کا نور پھیل گیا۔

حضرت علاء بن حضرمی اور عمرو بن عاص سہمی کی مہمیں بالترتیب بحرین اور عمان کی مملکتوں میں بھیجی گئیں۔ (فتوح البلدان:102)

حضرت علی نے آپ ﷺ کے حسب ارشاد ہمدان اور مذحج کے لوگوں میں اشاعت اسلام کا کام سر انجام دیا۔ (ابن ہشام:641/3)

حضرت خالد بن ولید مخزومی نے قبیلہ بنوالحارث بن کعب میں کامیابی کیساتھ دعوت دین کا کام کیا۔

ثم بعث رسول الله ﷺ خالد بن الولید فی شهر ربیع الاخر او جمادی الاولی سنة عشر الی بنی الحارث بن کعب بنجران و امره ان یدعوهم الی الاسلام قبل ان یقاتلهم ثلاثا فاسلم الناس۔ (ابن هشام:239/4)

پھر رسول اللہ نے ربیع الآخر یا جمادی الاول دس ہجری میں خالد بن ولید کو نجران میں بنی حارث بن کعب کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان سے قتال کرنے سے پہلے تین مرتبہ اسلام کی دعوت دیں۔ پس لوگ اسلام لے آئے۔

نقوش کے مطابق آپ ﷺ نے حیات طیبہ کے آخری ایام میں عرب کے مختلف سے علاقوں میں تقریباً آٹھ مبلغ روانہ فرمائے جنکے ذمہ تبلیغ واشاعت اسلام کا کام تھا۔ (نقوش:706/5)

### (3) امام کا تقرر:۔

مسلمانوں میں اخوت ومحبت اور اتحاد واتفاق کے ساتھ ساتھ نظم قائم رکھنے کے لیے نماز ایک اہم حیثیت کی حامل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں امامت کے فرائض خود سر انجام دیتے تھے ہاں آپ ﷺ کی غیر حاضری کی صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا کوئی اور صحابی

امامت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔
مختلف قبائل میں اور علاقہ جات میں آپ ﷺ نے ان کی طلب پر یا خود ائمہ کا تقرر فرمایا۔
اسد الغابہ کے مطابق مسجد قبا میں جو اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے حضرت حنظلہ بن ابی حنظلہ امامت فرمایا کرتے تھے۔(اسد الغابہ:82/2)

بخاری، ابو داؤد اور ابن ہشام وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے قبل مسلمانوں کے نماز کے لیے دو امام ہوتے تھے ایک حضرت مصعب بن عمیر جو انصار کے امام تھے اور دوسرے حضرت سالم مولی ابی حذیفہ تھے۔ جو مہاجرین کے امام تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر کو حضور نبی اکرم ﷺ نے بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد انصار کے ساتھ بطور مبلغ، داعی اور امام کے روانہ فرمایا تھا۔

انہ کان یصلی بھم و ذلك ان الا وس والخزرج کرہ بعضھم ان یئومہ بعض۔(ابن ھشام:77/2)

وہ (مصعب بن عمیر ) انہیں نماز پڑھاتے تھے اس لیے کہ انصار نے ایک دوسرے کی امامت کو اچھا نہ سمجھا تھا۔

حضرت عتبان بن مالک اپنی قوم کے امام تھے۔

عن ابن شھاب عن محمود بن الربیع الانصاری عن عتبان بن مالك انہ کان یوم قومہ و ھو اعمی۔
(اسد الغابہ :552/3)

عتبان محمود بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے حالانکہ نابینا تھے۔

انصار کے ایک خاندان بنو خطمہ نے اپنی مسجد بنائی تھی جس میں حضرت عبداللہ بن عمیر خطمی امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

عن ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمیر انہ کان امام بنی خطمۃ علی عھد رسول اللہ۔ (اسد الغابہ :351/3)

ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ عبد اللہ بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عہد نبوی میں بنی خطمہ کے امام تھے۔

اس طرح مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر ائمہ کا تقرر حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے جو نہ صرف امام ہوتے بلکہ اکثر اوقات قاضی، منصف، داعی، مبلغ اور علاقے کے والی بھی ہوتے تھے۔

**(4) موءذنین کا تقرر:۔**

ہجرت سے قبل مسلمانوں کے لیے چونکہ باقاعدہ طور پر نماز باجماعت کا حکم نہ تھا اس لیے انہیں بیک وقت اکٹھا کرنے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی تھی۔ ہجرت کے بعد جب اسلام کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط قوت اور حکومت عطا فرمائی اور نماز باجماعت فرض کی گئی تو اب پانچ اوقات میں مسلمانوں کو ایک وقت پر اکٹھا کرنے کے لیے مسئلہ درپیش ہوا کہ یہ کام کیونکر ہو؟ اس معاملے پر مشاورت طلب کی گئی آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر اذان کا طریقہ متفقہ طور پر منظور ہوا۔

كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوة ليس ينادى لها فتكلموا يوماً في ذلك فقال بعضهم اتخذوا نا قوسا مثل ناقوس النصارى وقال بعضهم بل بوقاً مثل قرن اليهود فقال عمرا ولا تبعثون رجلاً ينادى با لصلوة۔

(بخاری کتاب الاذان: 85/1)

مسلمان جب مدینہ آئے تھے تو نماز کے لیے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے اس وقت تک نماز کے لیے اعلان نہ ہوتا تھا ایک دن اس بارے میں مسلمانوں کے درمیان گفتگو ہوئی کہ اعلان ہونا چاہیے بعض نصاریٰ کی طرح ناقوس اور بعض نے یہود کی طرح سینگ بنانے کا کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آدمی مقرر کردو جو آواز دیا کرے

چنانچہ اذان کے لیے بلند اور خوش آواز افراد کا ہونا ضروری تھا تا کہ آواز دور دور تک بھی پہنچے اور دعوت نماز نہایت خوبصورت انداز میں آگے پہنچ سکے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پہلے موذن اسلام و رسول ﷺ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

ابن سعد نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موذنین کی تعداد تین بیان کی ہے:۔

1۔حضرت بلال حبشی 2۔حضرت عمرو بن ام مکتوم عامری 3۔حضرت ابو محذورہ (اصل نام اوس بن معیز جمحی رضی اللہ عنہ)

عن جابر عن عامر قال کان لرسو ل الله ﷺ ثلاثة موذنين بلال رضی اللہ عنہ و ابو محذورة و عمرو بن ام مکتوم۔
(ابن سعد :234/3)

حضرت عامر حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے تین موذن ہوتے تھے بلال رضی اللہ عنہ، ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

ہمیں آپ ﷺ کے ایک اور موذن حضرت عبدالعزیز بن اصم کا ذکر ملتا ہے لیکن شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک بار موذن موصوف کو اذان دینے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

عن نافع عن ابی عمر قال کان للنبی ﷺ موذنان احد هما بلال والا خر عبد العزيز بن الاصم۔
(اسد الغابه:499/3)

نافع عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دو موذن تھے بلال اور عبدالعزیز بن الاصم

بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بعض قبائل میں موذنین کا تقرر بھی کیا تھا ایک روایت کے مطابق حضرت سفیان بن قیس کندی جو کندہ کے وفد میں حضرت اشعث بن قیس کے ہمراہ تھے اور ان کے حقیقی بھائی تھے انہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے قبیلے کا موذن مقرر فرمایا تھا۔

سفيان بن قيس الكندى وفد مع الاشعث بن قيس الى النبى وامره ان يوذن لهم فلم يزل يوذن حتى مات۔
(اسد الغابه:499/2)

سفیان بن قیس اشعث بن قیس کے ساتھ آپ کے ساتھ آئے آپ نے انہیں کندہ والوں کے لیے اذان دینے کا حکم دیا وہ اپنی وفات تک اذان دیتے رہے۔

اس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ موذنین کا باقاعدہ تقرر عمل میں آتا تھا۔ جو بلاشبہ نظم نبوی کا واضح ثبوت ہے۔

**(5) نظام افتاء:۔**

سارے کے سارے احکامات اور تفسیر قرآن کا سرچشمہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نو مسلم صحابہ آپ ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتے تھے۔انہیں کسی قسم کے بھی مسائل درپیش ہوتے تو وہ بارگاہ نبوی میں ان کے حل کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

لیکن جب آپ ﷺ کی مساعی جمیلہ سے اسلام کو وسعت حاصل ہوئی اور افرادی قوت میں اضافہ ہوا تو دور دراز کے مقامات اور خود مدینہ میں رہنے والے افراد جو آپ ﷺ کی مصروفیات کی بناء پر براہ راست کسی قسم کے مسائل نہ پوچھ سکتے تھے ان کی سہولت کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں تقریباً آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مفتی کے عہدے کے لیے منتخب فرمایا جو لوگوں کے مسائل کا حل پیش کرتے تھے۔ابن سعد نے ان کے یہ نام بتائے ہیں۔

1۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ 2۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ 3۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ 4۔حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ 5۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ 6۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ 7۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ 8۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

عن القاسم بن محمد قال : كان ابو بكر و عمرو عثمان على يفتون على عهد رسول الله كان عبد الرحمن بن عوف ممن يفتي في عهد رسول الله ﷺ۔(ابن سعد :2/41-335)

قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ دور نبوی میں فتوی دیتے تھے۔عبدالرحمٰن بن عوف بھی عہد رسالت میں فتوی دینے والوں میں شامل تھے۔

محدث ابن جوزی نے عہد نبوی کے مفتیان کرام کی تعداد تیرہ بتائی ہے اور مذکورہ بالا صحابہ کے علاوہ 1۔حضرت عبداللہ بن مسعود 2۔حضرت حذیفہ بن یمان 3۔حضرت ابوالدرداء 4۔حضرت ابوموسیٰ اشعری 5۔حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔(نقوش:5/715)

مذکورہ بالا تاریخی بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ دور نبوی میں "نظام افتاء" اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھا اور امت مسلمہ اپنی علمی پیاس فقیہان اسلام کی سوجھ بوجھ اور تفقہ فی

الدین سے بجا رہی تھی۔

## 6۔ تنظیم امور حج:۔

اسلام کے ارکان میں سے چوتھا رکن حج ہے یہ ان تمام مسلمانوں پر فرض ہے جو اس کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں۔ اسلامی اصول وقواعد کے مطابق مناسک حج کی مکمل ادائیگی اسلامی حکومت کے زیر نگرانی ہی ممکن ہے۔ حج کی فرضیت کے بعد مسلمانان مدینہ اس کی ادائیگی کے لیے پہلی بار کب گئے؟ اس معاملے میں اختلاف ہے لیکن مورخین میں سے اکثر کے بیان کے مطابق فتح مکہ کے تقریباً تین ماہ بعد مسلمانوں نے پہلی بار مکہ کے اموی گورنر حضرت عتاب بن اسید کی نگرانی میں حج ادا کیا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے باقاعدہ امیر حج مقرر نہیں کیے گئے تھے۔ بلکہ مکہ کے گورنر ہونے کی حیثیت سے یہ فریضہ ادا کیا تھا لیکن ابن سعد کی روایت کے مطابق انہیں باقاعدہ امیر حج مقرر کیا گیا تھا۔

| | |
|---|---|
| و اقام عتاب للناس الحج تلك السنة۔ | اور فتح مکہ کے سال آپ نے عتاب کو لوگوں کے لیے امیر حج مقرر کیا۔ |
| (ابن سعد:446/5) | |

دوسری روایت جو کہ تمام مورخین کے اتفاق کے حامل ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے عظیم صحابی حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مدینہ سے روانہ فرمایا تھا۔

| | |
|---|---|
| ثم بعث ابا بكر امير الحج من سنة تسع ليقم للمسلمين حجهم۔ | پھر آپ ﷺ نے ابوبکر کو امیر حج بنا کر ۹ ہجری میں بھیجا تا کہ مسلمانوں کو حج ادا کرائیں۔ |
| (ابن هشام :188/4) | |

اور پھر عہد نبوی کا آخری حج جو تاریخ میں "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے خود نبی اکرم ﷺ کی قیادت وامارت میں ادا کیا گیا تھا۔

## 7۔ صاحب الھدی کا تقرر:۔

دور نبوت میں مذہبی نظام میں حج کے سلسلے میں افسران کے تقرر میں ایک اہم عہدہ "صاحب الھدی" کا ہوتا تھا یعنی وہ افسر جو قربانی کے انتظام وانصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ طبری کے بیان کے مطابق صلح حدیبیہ کے ایام میں یہ ذمہ داری ھدی کے نگران افسر کے طور پر حضرت ناجیہ

بن عمیر اسلمی نے سرانجام دی تھی۔

حد ثنی محمد بن اسحاق عن بعض اهل العلم ان رجلاً من اسلم حد ثه ان الذی نزل فی القلیب بسهم رسول الله ناجیة بن عمیر و هو سائق بدن رسول اللهﷺ۔(طبری:73/3)

مجھ سے ابن اسحاق نے بعض اہل علم سے بیان کیا کہ بنی اسلم کے ایک شخص نے اسے بتایا کہ ناجیہ بن عمیر حضور کے قربانی کے اونٹوں کے منتظم آپ کا تیر لے کر گڑھے میں اترے تھے۔

**(8) عہدہ سقایہ:۔**

حجاج کرام کو پانی پلانے کا بندوبست اور انتظام کرنیوالا افسر عہدہ سقایہ پر فائز ہوتا تھا۔یہ ذمہ داری ایام جاہلیت میں بنو ہاشم کے حصہ میں تھی چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اس قدیم کی عہدہ سقایہ پر بحال کیا تھا۔

ودفع السقاية الی العباس بن عبد المطلب وقال اعطيتكم ماترزا كم ولا ترزؤو نها۔(ابن سعد :137/2)

آپ نے پانی پلانے کی ذمہ داری حضرت عباس کو دے دی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں دی نہ وہ تم سے بخل کرے اور نہ تم اس سے بخل کرو۔

**(9) تولیت کعبہ:۔**

کعبہ اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور انتظام وانصرام کے لیے تولیت کعبہ کا عہدہ ہوتا تھا اسے قدیم زمانے میں حجابہ کہا جاتا تھا۔آپ ﷺ نے اس عہدے پر حضرت عثمان بن طلحہ عبدری کو بدستور بحال رکھا تھا۔

فخطب الناس يو مئذ ودعا عثمان بن طلحة فدفع اليه المفتاح وقال خذو ها يا بنی ابی طلحة تالدة خالدة لا ينزعهامنكم احد الاظالم۔

(ابن سعد :137/2)

آپ ﷺ نے اس دن لوگوں میں خطاب فرمایا اور عثمان بن طلحہ کو بلایا چابی انہیں دی اور فرمایا اے بنی ابی طلحہ اسے پکڑو ہمیشہ کے لیے تم سے یہ سوائے ظالم کے کوئی نہیں چھینے گا۔

اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آله و صحبه و بارك و سلم

# فصل سوم

## سفارتی نظام(Ambassadorial System):۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جامع صفات و کمالات ہے۔آپ ﷺ نے اپنے حسن تدبر،نظم ،بصیرت،فہم وفراست اور حکمت کے ساتھ مدینہ کی نوزائیدہ اور چاروں اطراف سے خطرات میں گھری مملکت کو نہ صرف داخلی و خارجی خطرات سے محفوظ فرمایا بلکہ قلیل عرصہ میں اسے دنیا کی بڑی طاقتوں کے ہم پلہ بنادیا۔

آپ ﷺ کے شاندار سفارتی کارناموں میں اردگرد کے قبائل سے حلیفانہ و دوستانہ تعلقات،قریش کی قوت توڑنے کے لیے ان کی تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی،منافقین کی ریشہ دوانیوں کا توڑ،صلح حدیبیہ کا عظیم کارنامہ اور مختلف ممالک کے سربراہان کو دعوتی و سفارتی خطوط روانہ کرنا شامل ہیں۔آپ ﷺ نے ایک موثر،مضبوط اور منظم سفارت کے ذریعے مختصر مدت میں وہ فوائد حاصل کیے جو دوسرے ممالک کئی سالوں میں حاصل کرتے ہیں۔بلاشبہ یہ سب آپ ﷺ کی اعلیٰ،انتظامی صلاحیتوں کا اظہار ہے۔

آپ باب پنجم میں پڑھ چکے ہیں کہ مکی زندگی میں سفارتی نظام کیا تھا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے۔یہ سفارتی نظام ہی کی وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ نے اپنا پیغام انصار تک پہنچایا اور پھر ان کے پاس یثرب(مدینہ منورہ) تشریف لے گئے اس طرح ہجرت نبوی بھی ایک سفارت بن گئی۔

### (1)ہجرت مدینہ/سفارتی اہمیت (Abassadorial Significance of Migration):۔

آپ ﷺ نے یثرب پہنچ کر اس کا نام قبۃ الاسلام اور مدینہ رکھا اور اسے حرم قرار دیا۔اس طرح ہجرت مدینہ سے اسلام کی تاریخ میں ایک نئے موڑ کا آغاز ہو گیا۔مکہ کی بنسبت اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا۔ظلم وستم سے نجات مل گئی اور مسلمانوں نے امن وعافیت کا سانس لیا اور اپنے بدترین دشمن سے کافی حد تک محفوظ و مامون ہو گئے۔

بقول ڈاکٹر محمد یونس

"آپ ﷺ کی ہجرت سے تاریخ نے ایک نرالا باب تحریر کرنا شروع کیا۔ ہجرت سے پہلے مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے ہجرت نے انہیں آزادی خودمختاری کی حامل پناہ گاہ عطا کی۔ وہاں محبت بھری نظریں ان کا استقبال کرنے کو موجود تھیں۔ اہل مدینہ نے انہیں سینے سے لگایا اور مقدور سے بڑھ کر ان کی مدد کی معاشی اعتبار سے وہ پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور انہیں مدینے کی شہری مملکت میں قابل احترام شہریوں کا درجہ مل گیا"۔ (رسول اللہ کا سفارتی نظام: 221)

اس طرح ہجرت مدینہ کے باعث مسلمان امن وسکون کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا بھی ہو گئے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے بھی سرگرم عمل ہو گئے۔

## (2) میثاق مدینہ۔۔۔۔۔۔سفارتی معاہدہ:۔

تاریخی حقائق سے یہ بات تو واضح ہی ہے کہ مدینہ میں انصار، یہود اور عیسائی آباد تھے ان کے علاوہ گردونواح میں دیگر عرب قبائل بھی آباد تھے۔ یہ قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی رہتے تھے۔ خصوصاً اوس اور خزرج تو پرانے رقیب تھے۔ ان تمام قبائل کے درمیان امن وامان اور اتحاد واتفاق، محبت واخوت کی فضاء قائم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر غیر مسلم قبائل سے دوستانہ تعلقات کا قیام میثاق مدینہ کی بناء پر تھا جو ایک بہت بڑی سفارتی کامیابی تھی۔

بقول ڈاکٹر محمد یونس

"اس وقت مدینہ کی آبادی چار عناصر پر مشتمل تھی انصار بت پرست، مشرکین جن کا رشتہ انصار سے تھا انہی میں عبداللہ بن ابی کی جماعت بھی تھی جو منافقت کا پارٹ ادا کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنی نضیر تھے ان میں بھی آپس میں رقابتیں تھیں"

"سفارتی و عالمی مشن کی مقامی و عالمی دعوت کے لیے پھر اس دعوت کے تبلیغی بندوبست کے لیے پھر اس دعوت کے مطالبہ کے عملاً نفاذ کے لیے اور محسوس طور پر اس دعوت کی افادیت کی نمود وظہور کے لیے اور عالمی مشن کی عالمی وحدت اور تنظیم شرعی کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ مدینہ کی آبادی داخلی حیثیت سے پرسکون رہے یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک مدینہ کے چاروں عناصر اپنے اپنے حقوق ومفاد کی جانب سے مطمئن نہ ہوں۔ (رسول اللہ کا سفارتی نظام: 232)

یہ اطمینان سفارتی کوششوں سے میثاق مدینہ کی شکل میں حاصل ہوا۔اس سفارتی کوشش کی بناء پر مدینہ داخلی طور پر کافی حد تک امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔اور تاریخ میں پہلی بار دستور مملکت کی تحریری شکل میں لکھا گیا۔

بقول ڈاکٹر حمید اللہ

"میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (Constitution) ہے جو خدا کے آخری پیغمبر نے نوع انسانی کو عطا فرمایا۔ممالک کے عام قوانین وقواعد کم وبیش تحریری صورت میں تو ہر جگہ ملتے ہیں لیکن دستور مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریر میں لانا اس سے قبل تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتا"۔(عہد نبوی میں نظام حکمرانی:74)

## (3) سفارتی حکمت عملی:۔

آپ ﷺ نے مدینہ کے اندرونی حالات کو میثاق مدینہ کے ذریعے کافی حد تک محفوظ بنا دیا تھا اور سفارتی کوششوں سے بتدریج مختلف قبائل سے معاہدات کے ذریعے مسلمانوں کو امن و امان مہیا کر دیا تھا۔

قریش مکہ سے مصالحت نہایت ہی اہمیت کی حامل تھی۔فخر وغرور اور تکبر اور خاندانی تعصب کی بناء پر مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں مصالحت کا لفظ سننا بھی ان کے لیے توہین کا باعث تھا۔اس لیے براہ راست پیغام مصالحت کی بجائے نبی اکرم ﷺ نے سفارتی حکمت عملی کے ذریعے ایسے حالات پیدا کیے کہ قریش کو مصالحت پر مجبور کر دیا۔اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے قریش کی دکھتی رگ کو پکڑا۔قریش تمام تجارت پیشہ تھے۔اور ان کی گزر اوقات کا واحد ذریعہ تجارت ہی تھا قریش کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو سکتی تھی کہ ان کے لیے تجارت بند ہو جائے اور وہ صرف مکہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائیں۔اس بات کا خود قریش کو اور دیگر لوگوں کو بھی علم تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار کیا تو قریش مکہ ان پر ٹوٹ پڑے۔اتفاق سے حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی ادھر آ نکلے انہوں نے قریش سے کہا کہ تمھاری بدبختی ہو تم بنو غفار کے آدمی کو قتل کر رہے ہو۔جبکہ تمھارے قافلے کا راستہ بنو غفار کے پاس ہو کر جاتا ہے۔یہ سن کو لوگ پیچھے ہٹ گئے۔(صحیح مسلم:297/2)

اس طرح قریش کو فکر معاش میں گرفتار کرنے کے لیے آپ ﷺ کو جب خبر ملتی کہ قریش کا قافلہ آرہا ہے تو آپ ﷺ روک ٹوک کے لیے صحابہ کی مختصر جماعت روانہ کردیتے اور اسکا مقصد قریش کو ہراساں اور مرعوب کرنا ہوتا تھا۔ کہ وہ ڈر کے مارے شام کا سفر چھوڑ دیں اور بالآخر معاشی تنگی وتباہی سے مجبور ہو کر صلح کرلیں۔

| | |
|---|---|
| و فیھا غزا رسول اللہ غزوۃ العشیرۃ من ینبع فی جمادی الاولیٰ یرید قریشا حین ساروا الی الشام۔ | اور انہی میں سے غزوہ عشیرہ ہے جب آپ ینبع کے مقام پر گئے قریش کاروان کے (روک ٹوک) لیے جب وہ شام گئے تھے۔ |
| (الکامل بن اثیر:112/2) | |

اسی طرح البدایہ والنھایہ میں بھی قافلوں کی روک ٹوک کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

(البدایہ والنھایہ:246/3)

## (4) صلح حدیبیہ.........اہم سفارتی کامیابی:۔

چنانچہ ۶ھ تک معاملات ایسے ہی رہے آخر قریش سے حدیبیہ کے مقام پر صلح ہوگئی اور دس سال تک اس بات پر مصالحت ہوگئی کہ فریقین امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں گے۔

| | |
|---|---|
| ھذا ما صالح علیہ محمد بن عبد اللہ وسھیل بن عمرو اصطلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یامن فیھن الناس۔ | یہ وہ باتیں ہیں جن پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان صلح ہوئی ان دونوں نے صلح کی کہ دس سال تک لوگوں سے جنگ دور رکھیں گے ان سالوں میں لوگ امن سے رہیں گے۔ |
| (البدایہ و النھایہ:168/4) | |

صلح حدیبیہ کے اقدام سے عالمی مشن کے فروغ کے لیے راہیں کھل گئیں۔قریش جو اسلام کی اشاعت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھے خود انہیں بھی اسلام کو اور اس کے ثمرات وفوائد کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور اسلام کی تبلیغ واشاعت بھی پرامن انداز میں بہت جلد جزیرہ نمائے عرب اور اس کی حدود سے باہر بھی جا پہنچی۔چنانچہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد ایک دن بھی ضائع کیے بغیر دعوتی خطوط اور سفارتی وفود کے ذریعے عملاً ثابت کردیا کہ آپ ﷺ کا مقصد بعثت

غلبہء اسلام تھا۔

| | |
|---|---|
| هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔ (الصف: 9:61) | وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کیساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔ |

صلح حدیبیہ ایک اہم سفارتی کامیابی تھی اس بارے میں ڈاکٹر محمد یونس یوں رقمطراز ہیں۔

"یہ سیاست کاری کا شاہکار تھا قریش کا چڑھتا ہوا جوش اور بخار اس صلح کے Saftyvaiue سے خارج ہو گیا۔ عین اس لمحے خیبر کے یہودیوں اور مکے کے قریشیوں میں اتحاد ہو کر ایک نئے طاقتور محاصرہ مدینہ کی جو تجویز تیار ہو چکی تھی۔ وہ روک دی گئی کیونکہ قریش نے اپنی منہ مانگی شرطوں کے ملنے اور تجارت کا شمالی راستہ کھولنے پر وعدہ کیا تھا کہ وہ دس سال تک آنحضرت ﷺ سے نہ تو خود جنگ کریں گے اور نہ کسی کو کوئی خفیہ یا اعلانیہ مدد دیں گے۔ اس صلح سے حضور ﷺ کو یہ فائدہ ہوا کہ سفارتی مشنوں کی ترسیل کے لیے ہاتھ کھل گئے خطرے کے مرکز خیبر کو مہینہ بھر میں ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔ (رسول اللہ کا سفارتی نظام: 339)

اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل سفارتی اقدامات کیے۔

(5) قبیلہ جہینہ سے معاہدہ وسفارتی تعلقات:۔

مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل میں سے سب سے پہلا معاہدہ قبیلہ جہینہ سے کیا گیا۔ (یہ واقعہ یکم ہجری ۲۲۶ء کا ہے)۔ (البدایہ والنھایہ: 241/3)

(6) معاہدہ ابواء:۔

اس معاہدے سے قریش کی تجارت پر کاری ضرب پڑی تھی۔ اور یہاں سے مدینہ کو بر وقت اطلاعات بھی فراہم ہو سکتی تھیں اس معاہدے کو معاہدہ بنوضمرہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| یقال لها غزوة و دان ایضاً یرید قریشاً و بنی ضمرة فواد عته فیها بنو ضمرة کان الذی وادعه منهم مخشی بن عمرو الضمری و کان سید هم فی زمان | اسے غزوہ ودان بھی کہا جاتا ہے آپ قریش اور بنی ضمرہ پر لشکر کشی کے ارادہ سے نکلے اور بنی ضمرہ سے مخشی بن عمرو سے مواعید کیے جو کہ ان کا اس وقت |

ذلك و رجع رسول الله الى المدينة ولم يلق كيداً۔(البدايه و النهايه:243/3)

سردار تھا اور آپ قریش سے ملے اور جنگ کیے بغیر واپس آ گئے۔

بنی زرعہ اور بنی ربعہ سے معاہدہ ہوا۔ بنو مدلج سے معاہدہ ہوا۔ غفار قبیلے سے معاہدہ ہوا یہ قبیلہ مکہ مکرمہ سے شام و فلسطین کے کاروانی راستے پر آباد تھا۔ بنو اشجع جو بنو غطفان کی ایک شاخ تھے اور یہ بھی ایک تجارتی راستے پر آباد تھے ان سے بھی معاہدہ ہوا۔ (رسول اللہ کا سفارتی نظام:296)
ان تمام معاہدوں کی وجہ سے قریش کی تجارت پر خصوصاً کاری ضرب لگی۔ دیگر مذاہب اور قبائل کے لوگوں کو اسلام کے قریب آنے کا موقع ملا۔ مدینہ کی ریاست اندرونی بیرونی خطرات سے کافی حد تک محفوظ ہو گئی دین اسلام کی اشاعت میں ریکارڈ تیزی آئی اسلام کا پیغام جزیرہ عرب سے نکل کر حبشہ، مصر، روم اور فارس کے سرحدوں تک جا پہنچا۔ یہ آپ ﷺ کی بہت بڑی سفارتی کامیابی تھی۔

## (7) خطوط و فرامین۔۔۔۔۔۔۔۔سفارتی نکتہ نظر سے:۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ صلح حدیبیہ سے اسلام کی اشاعت کو ایک نئی اٹھان نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے اس عرصہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کالے گورے، اسود و احمر، عجمی و عربی ہر ایک کے نام اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے سفارتی و تبلیغی مہمات روانہ کرنا شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے پہلی ہی فرصت میں قیصر و کسریٰ، نجاشی اور دوسرے حکمرانوں کے نام خطوط لکھے۔ مسلم شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ

ان النبی ﷺ كتب الى كسرىٰ والى قيصـر والى النجاشی والى كل جبار يدعو هم الى الله۔

بے شک اللہ کے نبی نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی اور تمام حکمرانوں کو خط لکھ کر اللہ کی طرف دعوت دی۔

(صحیح مسلم:99/2)

یہ خطوط عمرۃ القضاء ادا کرنے کے فوراً بعد یعنی یکم محرم ۷ھ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے ملحقہ سلطنتوں کے حکمرانوں کو اسلامی نظام کا پیغام خصوصی اپنے نمائندوں کے ذریعے بھجوایا۔ آپ ﷺ کے لکھے گئے خطوط کی تعداد ۲۲۵ تک ہو گئی ہے۔ (رسول اکرم کی سیاسی زندگی:132)
آپ ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ حکمرانوں کے نام خطوط لکھے اور سفراء کے ذریعے روانہ

فرمائے۔ ان سفراء و حکمرانوں کے نام یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| حضرت وحیہ کلبی | قیصر روم کی طرف |
| حضرت عمرو ابن امیہ الضمری | نجاشی بادشاہ حبشہ کی طرف |
| حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی | خسرو پرویز شاہ ایران کی طرف |
| حضرت حاطب بن ابی بلتعہ | عزیز مصر مقوقس کی طرف |
| حضرت سلیط بن عمرو عامری | رؤسائے یمامہ کی طرف |
| حضرت شجاع بن وھب الاسدی | حارث غسانی رئیس حدود شام کی طرف۔ |

(زادالمعاد: 120/1)

آپ کے ارسال کردہ خطوط جزیرہ نمائے عرب کے چاروں طرف کے حکمرانوں کے نام تھے۔ جن میں سے شمال میں روم، شمال مشرق میں فارس، شمال مغرب میں مصر، شمال میں ریاست غسان، مشرق میں رئیس یمامہ مغرب میں نجاشی جنوب میں یمن اور جنوب مشرق میں بحرین کے رؤساء کو خطوط بھجوائے۔

## (8) سفارتی وفود:۔

مکہ فتح ہو جانے اور قریش کے اسلام قبول کر لینے کے بعد دین کے خلاف بغاوت، سرکشی اور دشمنی کا سب سے بڑا قلعہ زمین بوس ہو گیا اس سے وہ لوگ جو ابھی تک گومگو کی کیفیت میں تھے اسلام سے کافی متاثر ہوئے۔ اس طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں وفود کا سلسلہ شروع ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

| | |
|---|---|
| اذا جاء نصر الله والفتح O ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجاً۔ (النصر 1:110) | جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔ |

وفود کی آمد پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں۔

"یہ سال آمد وفود کا سال تھا۔ عرب قبائل نے اسلام کے ساتھ قریش کے معاملہ کا انتظار کیا۔ اس لیے کہ وہی لوگ سب کے پیشوا تھے اور بیت اللہ کے ذمہ دار تھے۔ جب انہوں نے اسلام کے

سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا، مکہ فتح ہو گیا اور قبیلہ ثقیف نے بھی اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے محسوس کر لیا کہ اب ان کے اندر ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور نہ ہی دشمنی زیادہ دیر تک چل سکتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سے وفود کی کثرت ہوئی اور لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ (مجمع بحار الانوار: 272/5)

یوں آپ ﷺ نے بحیثیت "منتظم اعلیٰ" سفارتی محاذ پر انتہائی قلیل وقت میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں اور مدینہ کی ریاست کی تنظیم کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن عناصر کا بھی قلع قمع کر دیا اور وہ سفارتی کامیابیاں حاصل کیں جنکا عشر عشیر بھی آپ ﷺ کے دور میں، بعد میں اور ابھی تک کوئی بھی منتظم حاصل نہ کر سکا اور نہ حاصل کر سکے گا۔

اللهم صل و سلم و بارك علىٰ حبيبك الكريم صلاة و سلاما و بركة بدون انقطاع و بلا حساب

# فصل چہارم

## ریاست مدینہ شہری انتظام وانصرام (Urban Administration):۔

کسی بھی ریاست کے کامیاب ہونے یا ایک فلاحی مملکت کہلانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے شہری امن وسکون کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور مالی، معاشی، اقتصادی اور سیاسی حوالے سے وہ مطمئن اور مستحکم ہوں۔

عرب جہاں پر کوئی نظم ونسق نہ تھا۔ مختلف قبائل کی تقسیم، علاقائی اور خاندانی تقسیم پر مشتمل عرب کا علاقہ انتظامی حوالے سے دگرگوں کیفیت کا حامل تھا۔ مرکزی حکومت کی غیر موجودگی میں جسکی لاٹھی اسکی بھینس کا اصول کارفرما تھا۔ اخلاقی قدریں پامال تھیں۔ احترام آدمیت مفقود تھا۔ صدیوں سے انسانوں سے انسانیت سوز سلوک روا رکھا جا رہا تھا۔ وہی صاحب اقتدار و جاہ ومنصب تھا جو دولت وقوت میں بڑھ کر تھا۔ ان حالات میں فاران کی چوٹیوں سے جو نور پھوٹا اس نے صدیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکی کو منور کر دیا۔ دس سال کے قلیل عرصے میں عرب جیسے علاقے میں ایک انتہائی منظم اسلامی فلاحی مملکت کا قیام بلاشبہ جوئے شیر لانے کے مترادف تھا لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ سینکڑوں سال سے اتحاد واتفاق، اخوت ومحبت نظم وضبط عدل وانصاف اور انسانیت سے عاری قوم کو حضور ﷺ نے نہ صرف اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو دیا بلکہ سیاسی وجغرافیائی وحدت عطا فرما کر اخوت ومحبت کا داعی، عدل وانصاف کا پیکر، دنیا کے لیے راہبر وراہنما اور انسانیت کی معراج پر پہنچا دیا۔ ان میں ایسا نظم ونسق پیدا فرمایا کہ دنیا کے امام وراہنما بن گئے۔

اسلامی سیاسی تصور کے مطابق اسلامی ریاست کا حاکم حقیقی اور مقتدر اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی کے احکامات کے مطابق اسلامی ریاست کو چلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانیت کی رہنمائی کے لیے اور الٰہی نظام کے نفاذ کے لیے انبیاء ورسول کا انتخاب فرمایا اور یہ سلسلہ حضور نبی ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ انبیاء کے بعد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا یہ فریضہ امت مسلمہ کو سونپ دیا گیا۔ اب دنیا میں نظام الٰہی کے قیام واحیاء دین کا یہ فرض امت محمدیہ کے سپرد ہے۔

چنانچہ ہر رسول زمین پر خلیفۃ اللہ ہوتا ہے اور احکام الٰہی کی تنفیذ کا کام سرانجام دیتا ہے اب یہ فطری بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر نظام اسلام کے نفاذ کا اور مرضی خداوندی کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے آپ تمام عالمین کے لیے رحمت اور کائنات انسانی کے لیے خلیفۃ اللہ بن کر تشریف لائے۔اس طرح آپ کلی اختیارات مذہبی و سیاسی کے حامل تھے۔گویا قانون سازی انتظامیہ، عدلیہ اور عسکری اختیارات کا سرچشمہ آپ ہی تھے اب ریاستی انتظام و انصرام کو موثر مربوط اور مستحکم بنانے کے لیے آپ نے بہت سے انتظامی اختیارات کو ثانوی سطح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تفویض فرمادیا اور مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا۔اس طرح شہری انتظام و انصرام کے لیے انتظامیہ کا ایک نیٹ ورک بنایا۔

آپ کے شہری نظم و نسق میں مرکزی، صوبائی یا علاقائی، مقامی، منتظمین اور انتظامیہ کے کارکن شامل تھے۔آیئے اس سلسلے میں ذرا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

## (الف) مرکزی شہری انتظام و انصرام:۔

اگرچہ تمام سیاسی و انتظامی اختیارات حضور ﷺ کی ذات عالیہ میں مرکوز تھے تاہم بہتر انتظام و انصرام اور نظم و ضبط کے قیام اور انتظامیہ کے ارتقاء و تربیت کے لیے آپ اپنے متعدد صحابہ کو کاروبار حکومت میں شریک کرتے تھے۔چونکہ نبی ایک قوم کی تربیت بھی کرتا ہے اور آپ کا منصب اس سلسلے کی آخری کڑی تھا اس لیے امت کے ارتقاء اور تربیت کے لیے بھی آپ نے ٹھوس اقدامات فرمائے۔آپ نے صحابہ کو مختلف ذمہ داریاں تفویض فرمائیں تاکہ آئندہ ایام میں تجربہ سے مزین ہو کر امت کی باگ ڈور سنبھالنے میں انہیں دقت محسوس نہ ہو۔اس سلسلے میں درج ذیل عمال اور افسران کے حوالہ جات ملتے ہیں۔

(1) خلفاء و نائبین (Acting Caliphs)(2) مشیران (Advisors)(3) کاتبین (Secretaries)(4) سفراء (Ambasadors)(5) مخصوص کاموں کے افسر (Comissioners)(6) شعراء (Poets)(7) خطباء (Speakers)

ان خاص عہدوں کے علاوہ متعدد کم درجہ کے کارکنوں کا بھی ذکر موجود ہے۔

### 1۔خلفاء و نائبین (Acting Caliphs):۔

جب کبھی کسی قسم کی جنگی مہم یا تبلیغی دعوت کے سلسلے میں آپ کو مدینہ سے باہر جانا پڑتا تھا تو آپ اپنی غیر موجودگی میں اپنا خلیفہ یا نائب مقرر فرما دیتے تاکہ غیر حاضری کی صورت میں مدینہ کے انتظام وانصرام کے معاملے میں پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ بعض مآخذ میں صرف نماز میں نائب بنانے کا تصور ملتا ہے۔ لیکن تاریخی شواہد سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ یہ جانشین رسول محض نماز میں ہی نائب نہ ہوتے تھے بلکہ سربراہ مملکت کے خلیفہ اور نائب بھی ہوتے تھے۔ اسطرح وہ آپکی غیر موجودگی میں مدینہ کہ باسیوں کی فلاح و بہبود اور ریاست کے مفادات کے نگران ہوتے تھے اور آپ کے سیاسی جانشین ہوتے تھے۔

☆۔ چنانچہ پہلے دو غزوات ودان اور بواط میں آپ نے بالترتیب سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ (ابن سعد: 8/2)

☆۔ دو مقامی سربرآوردہ مسلمان قبائل سرداروں کی یکے بعد دیگرے تقرری آپ کی سیاسی دور اندیشی اور انتظامی حکمت عملی کی دلیل تھی۔ کیونکہ آپ نے ایک تو مدینہ کو انتظامی حوالے سے خالی نہ رہنے دیا اور دوسرا دونوں بڑے قبائل کو بھی راضی کر دیا۔

☆۔ اس منصب جلیل پر تیسری تقرری غزوہ کرز بن جابر فہری کے موقع پر آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ کلبی کی فرمائی۔ (ابن سعد: 9/2)

حضرت زید بن حارثہ کلبی کی تقرری سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکومتی وریاستی عہدے کے لیے اسلام میں مال ودولت یا خاندانی معیار کی بجائے صلاحیت وقابلیت معیار اور واحد بنیاد ہے۔

☆۔ اس سلسلے میں پہلے قریشی صحابی جنہیں یہ اعزاز حاصل ہوا تھا وہ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی تھے جنہوں نے غزوہ ذات العشیرہ کے دوران آپکی غیر حاضری میں جانشینی کا شرف حاصل کیا تھا۔ (ابن ہشام: 248/2)

ابن سعد کی روایات کے مطابق غزوہ بدر کے موقع پر آپ نے کم از کم تین حضرات کو شہر کے تین مختلف حصوں کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

(۱) حضرت ابولبابہ کو خاص شہر مدینہ میں

(۲) حضرت عاصم بن عدی عجلانی کو شہر کے بالائی علاقے العالیہ کا

(۳) حضرت حارث بن حاطب عمری کو اپنے قبیلے کے علاقے کا جانشین مقرر فرمایا۔(ابن سعد:12/2)
اس کے بعد حضرت ابولبابہ کو اس عہدہ عظیم پر ۶۲۴ء کے وسط ۲ھ کے اواخر میں غزوات بنو قینقاع اور سویق کے دوران دو مزید تقرریوں کی سعادت حاصل ہوئی تھی ان کو مجموعی طور پر تین مرتبہ یہ شرف حاصل ہوا تھا۔(نقوش:580/5)

امراء وعمال نبوی کے اس شعبہ میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت ابن ام مکتوم کی تھی۔صحابی موصوف کے بارے میں اگر چہ عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ وہ نابینا تھے لیکن اس کے باوجود بارہ یا تیرہ مواقع پر خلافت رسول کی سعادت حاصل کی جو ذیقعدہ ۵ھ اپریل ۶۲۷ء سے محرم ۷ھ مئی ۶۲۸ء تک وسیع تھی۔(ابن سعد:135,95,80,79,74,66,49,35/2)

اس شعبہ میں ایک اور اہم نام حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کا ہے ان کو خلیفہ کے منصب پر تین بار تقرری کی سعادت ملی۔(پہلی تقرری ربیع الاول ۵ھ اگست ستمبر ۶۲۶ء میں ہوئی تھی اور باقی دو تقرریاں بالترتیب صفر ۷ھ جون ۶۲۸ء اور ذوالحجہ ۱۰ھ مارچ ۶۳۲ء میں ہوئی تھیں)۔
(ابن سعد:519/3)

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی بن ابی طالب الہاشمی کو خاندان رسالت میں آپ کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا تھا۔(ابن ہشام:163/4)

جبکہ ریاست اسلامی (مدینہ) کی سربراہی ایک اوسی صحابی حضرت محمد بن مسلمہ کے نصیب آئی تھی۔
(ابن سعد:165/2)

## (2) مشیرانِ نبوی ﷺ (Advisors):۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور ہر معاملے میں اپنے ماننے والوں کی راہنمائی کرتا ہے۔سربراہ مملکت کے لیے کسی ایک اہم معاملہ میں فیصلہ صادر کرنا مشکل کام ہوتا ہے چنانچہ اس بوجھ کو کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مشاورت کا نظام عطا فرمایا۔چنانچہ ارشاد ہوا۔

| | |
|---|---|
| وشاورھم فی الامر۔ | اور اہم کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں |
| (آل عمران :159:3) | |

آپ ﷺ تمام کاموں میں اور اہم اجتماعی امور پر قرآنی ہدایت کے مطابق جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

مشورہ کرتے تھے جن میں ریاستی وحکومتی امور بھی شامل تھے۔
یوں تو مشورہ لینے کا حکم عام تھا۔مگر بوجوہ ریاستی معاملات میں مشورہ ہر کس وناکس کی بات نہ تھی اس لیے ان تمام امور پر جن میں فہم وفراست، سوجھ بوجھ اور معاملات کے ادراک کی ضرورت ہوتی تھی صرف جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

## جنگی معاملات میں مشاورت:۔

جنگ کے معاملات میں آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اکثر وبیشتر صلاح ومشورہ کرتے تھے۔اس سلسلے میں پہلا ثبوت غزوہ بدر کا ہے۔آپ نے اس اہم مسئلہ پر مشاورت طلب فرمائی۔مہاجرین صحابہ میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مقداد بن عمرو نے آپ کے منصوبہ کے حمایت فرمائی۔جبکہ انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہ،حضرت سعد بن معاذ اوسی رضی اللہ عنہ اور حضرت حباب بن منذر خزرجی نے انصار کی طرف سے آپ کو مکمل تعاون وحمایت کا یقین دلایا۔(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر:102/2)
اس طرح جنگی قیدیوں کے ساتھ رویہ وسلوک پر بھی آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان کو زرفدیہ لے کر رہا کر دیا جائے جسے آپ نے قبول فرمایا تھا جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو کہ ان کو قتل کر دیا جائے آپ نے قبول نہ فرمایا تھا۔(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب امداد بالملائکہ:3/2)
اسی طرح غزوہ احد کے وقت بھی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا تھا آپ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ دشمن کی بہتر جنگی لیاقت اور کثیر تعداد میں ہونے کی بناء پر محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے لیکن صحابہ (خصوصاً نوجوان طبقہ) کی اکثریت کی رائے کے مطابق کہ مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے،کو ترجیح دی گئی۔(ابن ہشام:67/3)
جنگ احزاب یا خندق کے موقع پر شہر کے شمالی حصہ میں ایک لمبی چوڑی خندق کھودنے کا فیصلہ حضرت سلمان فارسی کے مشورہ کیا گیا تھا جسے آپ نے قبول فرمالیا تھا۔(طبری:44/3)
جنگی امور میں حضرت حباب بن منذر خزرجی کی رائے ہمیشہ دربار رسالت میں منظور وقبول ہوتی تھی چنانچہ متعدد غزوات جیسے بدر،خندق،خیبر،طائف وغیرہ میں انکی آراء کو خاص کر مسلم فرودگاہ

کے لیے جگہ کے انتخاب کے معاملے میں دوسروں پر ہمیشہ ترجیح ملتی تھی۔(اسد الغابہ: 665/1)

رياست دشمنوں کے بارے میں مشاورت:۔

اسلامی ریاست کے بعض دشمنوں کا قتل بھی باہم مشورے سے کیا گیا تھا۔مشہور یہودی شاعر کعب بن اشرف جس نے جنگ احد برپا کرنے میں کلیدی اور اہم کردار (Leading role) ادا کیا تھا، کا قتل انصار کے سر برآوردہ اشخاص اور سرداروں کے صلاح مشورہ کے بعد ہوا تھا۔
(ابن ہشام:58/3)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حربی امور و معاملات کے علاوہ دوسرے ریاستی، مذہبی و سیاسی امور پر بھی رسول اکرم ﷺ مسلمانوں سے مشاورت طلب فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً

اذان کے معاملے میں مشاورت:۔

اذان ایک مذہبی شعار ہے اس سلسلے میں مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو نماز با جماعت کے لیے کس طرح اکٹھا کیا جائے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے اذان کی تجویز قبول کی گئی۔(صحیح بخاری: 85/1)

مسجد نبوی کی تعمیر میں مشاورت:۔

مسجد نبوی کے لیے جگہ کا انتخاب بھی صلاح مشورہ کے بعد کیا گیا تھا۔(ابن سعد: 240/1)

مال غنیمت کی تقسیم میں مشاورت:۔

مدینہ کے یہودیوں سے مال غنیمت میں حاصل شدہ اراضی غریب مہاجرین (اور بعض انصار صحابہ میں بھی) تقسیم کے مسئلے پر انصار کے سر برآوردہ لوگوں سے مشورہ لیا گیا۔
(فتوح البلدان:39-42)

واقعہ افک اور مشاورت:۔

واقعہ افک کے معاملے میں بھی آپ نے حضرت علی اور دیگر جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور رائے طلب فرمائی اگرچہ اس پر عمل نہ فرمایا اور معاملہ اللہ کے سپرد فرمایا۔
(صحیح مسلم کتاب التوبہ:365/2)

## فتح مکہ اور مشاورت:۔

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان بن حرب کے گھر کو دارالامن قرار دینا اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ کو امان عطا کرنا بعض مسلمانوں کے مشورے سے ہی عمل میں آیا۔

(زادالمعاد:3/403-411)

## اہم مشیران نبوی:۔

مشیران نبوی میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں دیگر مشیر صحابہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ، حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

## (3) کاتبین (Secretaries):۔

کاتب، کتب، یکتب سے اسم فاعل ہے اسکا لغوی معنی تو لکھنے والا ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اسلامی دنیا میں یہ لفظ اصطلاح اور باقاعدہ ایک عہدہ بن گیا۔ اپنے فرائض کے حوالے سے یہ موجودہ دور میں کافی حد تک سیکرٹری کے مشابہہ تھا۔ یہ لفظ بطور اصطلاح اسلامی عہدہ سے قبل عرب میں مستعمل تھا کیونکہ لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔

اسلام کی آمد کے بعد فن کتابت نے کافی ترقی کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور حیات ہی میں وحی الٰہی اور سیاسی دستاویزات کی کتابت کے لیے متعدد کاتبوں کی خدمت حاصل کی تھیں۔

(دورنبوی کا نظام حکومت:73)

ان کاتب حضرات کی تعداد مختلف مورخین نے مختلف بیان کی ہے جنھوں نے عہد نبوی میں کاتب کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔

علامہ عبدالحئی نے ان بائیس کاتبین کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ — حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ — حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی

حضرت ابی بن کعب خزرجی | حضرت معاویہ بن ابی سفیان
حضرت خالد بن سعید بن عاص | حضرت مغیرہ بن شعبہ
حضرت علاء بن حضرمی | حضرت عبداللہ بن ارقم مخزومی
حضرت ثابت بن قیس بن شماس خزرجی | حضرت شرجیل بن حسنہ کندی
حضرت جہیم بن الصلت | حنظلہ بن ابی عامر الاسدی
حضرت عبداللہ بن سعید بن ابی سرح | حضرت عبداللہ بن ابی سلول
حضرت محمد بن مسلمہ اوسی | حضرت زبیر بن عوام
معیقب بن ابی فاطمہ | خالد بن ولید
مغیرہ بن شعبہ | عبداللہ بن رواحہ

(دورنبوی کا نظام حکومت:72)

سیکرٹری خاص (Personal Secretary) حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ:۔

حضرت بلال کا شمار اگرچہ کاتبین میں نہیں ہوتا لیکن جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور نجی ضروریات کا تعلق ہے تو آپ کے تمام گھریلو کام حضرت بلال ہی سرانجام دیا کرتے تھے۔مثلاً بازار سے روزمرہ ضروریات کے لیے سودا سلف خریدنا،قرضوں کی فراہمی وادائیگی کے انتظامات کرنا،مہمانوں کے آرام و طعام کا بندوبست کرنا،نمازوں کے اوقات کی اطلاع کرنا،کسی قسم کا اعلان خاص کرنا وغیرہ اور اس قبیل کے دوسرے متعدد کام سرانجام دیتے تھے۔

(دورنبوی کا نظام حکومت:209-214)

اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمے درج ذیل کاموں کا ذکر ملتا ہے۔

خزانچی (Finance Secretary):۔

اسدالغابہ کا بیان ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے خزانچی بھی تھے اور اپنے پاس جیب میں کپڑے میں چاندی رکھا کرتے تھے تاکہ بوقت ضرورت مصرف میں لائی جاسکے۔

(اسدالغابہ:415/1)

## انعامات کی ادائیگی:۔

جب حضور ﷺ کسی کی کارکردگی سے خوش ہوکر یا دیگر کسی وجہ سے انعام سے نوازتے تھے تو ان کی ادائیگی بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہی ہوتی تھی۔ مثلاً جعرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب رسول اکرم ﷺ نے قریش کے سرداروں اور قبائل عرب کو انعامات سے نوازا تو حضرت معاویہ اور یزید، فرزندان حضرت ابوسفیان کو فی کس چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی ہی نے اپنے دست مبارک سے عطا کیے تھے۔(زاد المعاد 473/3:)

حضرت جابر بن عبد اللہ کو اونٹ کی رقم کی اطلاع کی ادائیگی اضافہ و انعام کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہی کی تھی۔(صحیح بخاری: 310/1)

عمان بلقاء کے حکمرانوں نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف بھیجے تو اس کے سفیر کو تحائف و انعامات آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی نے دیئے۔(ابن سعد 281/1:)

## منادی/معلن (Announcer):۔

تاریخی مآخذ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے مستقل منادی بھی تھے۔ غزوات حمراء الاسد اور بنی قریظہ کے زمانے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی نے مسلمانوں کو باخبر کیا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ وہ دشمنوں سے آخری وقت تک لڑائی کریں۔

(ابن سعد:74,49/2)

اسی طرح جب کبھی بھی آپ مسلمانوں میں کوئی عام یا خاص خطاب کرنا چاہتے تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں اذان دیتے تھے کبھی مدینے کی گلیوں میں صدا دیتے کہ الصلوۃ جامعۃ اور کبھی لوگوں کو جمع کرنے یا آپ کا پیغام پہنچانے کے لیے آواز لگاتے تھے۔(مسند احمد بن حنبل:358/2)

## (4) سفراء (رسول)(Ambassadors):۔

سفارت کا عہدہ یا ادارہ اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب یا کم از کم مکہ میں معروف اور موجود تھا کیونکہ قریشی اشرافیہ میں اسکا واضح ثبوت موجود ہے۔ روائتی لحاظ سے بنوعدی عرصہ دراز سے اس منصب پر فائز تھا بعثت نبوی کے زمانے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس عہدہ پر فائز تھے اور قریش کے دیگر قبائل یا ممالک کے لیے سفیر تھے۔

بہر حال اسلامی ریاست نے اس عہدہ یا ادارہ کو عربوں سے وراثت میں حاصل کیا یا پھر اپنی دعوتی و تبلیغی ضرورتوں اور عصری تقاضوں کے پیش نظر اس میں نئی جہتوں کا اضافہ کیا تھا۔ جاہلی نظام میں یہ خاندانی اور مستقل ہوتا تھا لیکن اسلامی ریاست میں خاندانی یا موروثی عہدوں کے اصولاً گنجائش تھی ہی نہیں صرف اہلیت، قابلیت، لیاقت، حسن کارکردگی اور فہم وفراست وزبان گوئی جیسی صفات کا ہونا لازمی تھا۔ اسکے نتیجے میں اسلامی ریاست میں متعدد لوگ اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔

عام خیال یہی ہے کہ اسلامی ریاست نے پہلی بار محرم ۷ھ مئی جون ۶۲۸ء میں سفیروں کی تقرری کی تھی اور متعدد سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کو مختلف علاقوں، حصوں اور بعض پڑوسی ممالک میں حکمرانوں کے پاس روانہ کیا گیا۔

ابن ہشام کے مطابق درج ذیل سفیروں کو حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت وتبلیغ اور قریبی ممالک سے تعلقات کے لیے مختلف ملکوں میں روانہ فرمایا تھا۔

| | |
|---|---|
| 1۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی | رومی حکمران قیصر کے پاس |
| 2۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی | خسرو ایران پرویز کے پاس |
| 3۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری | نجاشی حکمران حبشہ کے پاس |
| 4۔ حضرت شجاع بن وہب اسدی | حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس |
| 5۔ حضرت حاطب ابی بلتعہ | مقوقس والی مصر کے پاس |

(ابن ہشام: 254/4)

۹ھ ۶۳۱ ـ ۶۳۰ء میں کم از کم سات سفیروں کو جزیرہ نماء عرب کے مختلف حکمرانوں اور قبائل کے پاس روانہ کیا گیا تھا۔ ان کے نام اور علاقہ جات یہ ہیں۔

| نمبر شمار | نام | علاقہ / قبیلہ / حکمران |
|---|---|---|
| ۱ | حضرت نمیر ابن خرشہ ثقفی | طائف کے قبیلوں (ثقیف) کے پاس |
| ۲ | حضرت ظبیان بن مرثد سدوسی | قبیلہ بکر بن وائل کے پاس |
| ۳ | حضرت علاء بن حضرمی | منذر بن ساوی کے پاس |
| ۴ | حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی | بنی حمیر کے پاس |
| ۵ | حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی | اسقف نجران ضغاطر الاسقف کے پاس (ابن سعد: 276/1) |

## (5) مخصوص افسران نبوی (Comissioners):۔

مرکزی سطح پر تمام امور کے نگران اور اقتدار اعلی کے مالک جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ ہی تھے لیکن بعض معاملات میں آپ اپنے اختیارات صحابہ کے سپرد بھی فرما دیتے تھے۔اور بعض کاموں میں فیصلوں کے نفاذ کا کام بھی صحابہ کے سپرد فرماتے تھے یہ غالبا صحابہ کی عزت وحوصلہ افزائی اور ریاستی امور میں سوجھ بوجھ بڑھانے کے لیے کیا جاتا تھا تاکہ مستقبل میں امت مسلمہ کی امامت کا منصب سنبھالیں تو ان امور کا پہلے سے ہی تجربہ رکھتے ہوں۔
بقول اقبال

۶ سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

چنانچہ مذکورہ بالا افسران جنکا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو گیا ہے کے علاوہ بعض ایسے افسروں کا تقرر عمل میں لایا گیا جنکو ہم کسی خاص خانے میں نہیں لکھ سکتے اور نہ ہی مآخذ میں ان کے لیے کسی خاص قسم کا لفظ یا اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور نہ ایسے افسروں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔
بعض مواقع پر نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخصوص قسم کے کام سونپے تھے یہ کام عارضی تھے اور اس عہدہ پر افسروں کی تقرری بھی وقتی و عارضی تھی۔اس لیے ان افسران کو افسران بکار خاص (مخصوص کاموں کے افسر) یا کمشنر کہہ سکتے ہیں۔ان افسران یا عاملین کے کاموں کی نوعیت مختلف تھی۔بعض کو اہم ترین فرائض سونپے گئے تھے اور بعض دوسروں کے ذمے معمولی نوعیت کے کام آئے۔

اس سلسلے میں حضرت سعد بن معاذ اوسی کو جو کام سونپا گیا تھا وہ سب سے اہم تھا۔حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ کے سلسلے میں فیصلہ کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا اور پھر آپ نے انہی کے فیصلے کو نافذ بھی فرمایا۔(صحیح بخاری: 536/1)

خصوصی افسران نبوی میں ایک اہم نام حضرت علی بن ابی طالب کا ہے جنکا رسول اکرم ﷺ نے بنو خزیمہ کے قبیلے کے مسلمانوں کا خون بہا اور دیت ادا کرنے کے سلسلے میں بھیجا تھا جنکو مسلمان سپاہیوں نے اور سالاروں نے غلطی سے قتل کر دیا تھا اس کام کے لیے آپ کو شوال ۷ھ میں مخصوص فرمایا گیا تھا۔

وبعث علی ابن ابی طالب فودی لهم قتلا هم و ما ذهب منهم۔
(ابن سعد :148/2)

آپ نے (قبیلہ بنی خزیمہ کی طرف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔انہوں نے مقتولین کا خون بہا ادا کیا اور نقصان کی تلافی کی۔

غزوہ تبوک سے ذرا پہلے اور بعد کے زمانے کا واقعہ ہے کہ حضرت مالک بن دخشم اور حضرت معن بن عدی کو مدینہ میں منافقوں اور سازشیوں کے اس گھر کو منہدم کرنے کا حکم دیا تھا جہاں وہ اسلام دشمن سرگرمیوں اور سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔(ابن ہشام: 174/4)

قرآن مجید میں اس مکان کو مسجد ضرار کا نام دیا گیا ہے۔

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المومنین۔
(التوبہ 107:9)

اور (منافقین میں سے وہ بھی ہیں) جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے (مسلمانوں کو) نقصان پہنچانے اور کفر (کو تقویت دینے) اور اہل ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے (کے لیے)۔

ان سیاسی نوعیت کے مخصوص امور کے علاوہ رسول اکرم ﷺ نے بعض اخلاقی جرائم کی سزاؤں کی تنفیذ کے لیے بھی چند افراد کو مقرر فرمایا تھا۔حضرت انیس بن ضحاک اسلمی کو ان کے قبیلے کی ایک زانیہ عورت کو رجم کرنے کے لیے مامور کیا گیا تھا اور انہوں نے اسکی تعمیل کی تھی۔(اسد الغابہ: 302/1)

ایک روایت کے مطابق حضرت حنظلہ بن یمان کو دو حقیقی بھائیوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا معاملہ طے کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔(نقوش:603/5)

اسی طرح ۹ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کو سورہ توبہ کی چند آیات جسکا تعلق مکہ میں کافروں کے قیام و داخلہ سے تھا کے اعلان کا حکم دیا گیا تھا جسکی انہوں نے تعمیل کی تھی۔(دور نبوی کا نظام حکومت:51)

مذکورہ بالا افسران کے علاوہ بھی اور کئی ایسے افسر تھے جو کسی خاص کام کے لیے مقرر و متعین کیے گئے تھے۔

## (6) خطباء اور شعراء (Speakers & Poets):۔

موجودہ دور میں کسی بھی حکومت میں سرکاری طور پر شعراء کی سرپرستی کو عجیب سمجھا جائے گا اور آجکل کی حکومتیں بھی کسی طرح سے شاعروں کے لیے کوئی عہدہ مخصوص نہیں کرتیں اسی طرح خطباء کی بھی بطور خاص تقرری نہیں کی جاتی اور حکومت میں مشیر یا وزیر کی سطح کا کوئی عہدہ ہر دو کو نہیں دیا جاتا لیکن تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ قرون اولی و وسطی میں انکی سرکاری سرپرستی ہوتی تھی۔اور خاص عرب میں خطیب اور شاعر ہونا ایک قابل فخر بات تھی اور انہیں عظیم مقام حاصل ہوتا تھا۔

اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شاعرانہ مبالغہ آرائی اور فحش سخنی کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اس قسم کے شاعروں کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اچھی بامقصد اور صاف ستھری شاعری کو ہمیشہ بنظر تحسین دیکھا اور پسند فرمانے کے ساتھ ساتھ تعریف بھی فرمائی۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مسلمانوں کی من حیث القوم، انکی عورتوں پر اور نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات پر شاعری اور خطابت کے ذریعے انتہائی سخت تنقید کی گئی، رکیک حملوں کا نشانہ بنایا گیا اسلام کا مذاق اڑایا گیا اسلام کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا گیا اور اسلام دشمن عناصر کو برانگیختہ کیا گیا۔اب ضروری تھا کہ اینٹ کا جواب اینٹ سے دیا جائے چنانچہ آپ ﷺ نے شاعری اور خطابت کو اپنے، مسلمانوں، اسلام اور ریاست کے دفاع کے طور پر استعمال کیا اس سلسلے میں آپ نے تین جید شعراء کی خدمت حاصل کی تھیں ان کے نام یہ ہیں۔

1۔حضرت حسان بن ثابت خزرجی 2۔حضرت کعب بن مالک 3۔حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی

ان میں سے سب سے مشہور حضرت حسان بن ثابت تھے جو شاعر دربار رسالت تھے اور عرب کی

اسلامی شاعری میں ایک خاص مقام کے مالک ہیں۔

اسد الغابہ کے بیان کے مطابق حضرت حسان بن ثابت عربوں کے نسب پر تنقید کرتے تھے۔ حضرت کعب بن مالک انہیں جنگ کے مہلک اثرات و نتائج سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انہیں کفر پر عار دلاتے رہتے تھے۔ (اسد الغابہ:7/2)

یہ تینوں شاعر ناموس رسالت کے محافظ اور اسلامی ریاست کے ترجمان تھے۔ ان شعراء کے علاوہ کعب بن زہیر، خنساء، عبداللہ بن عباس، عباس بن مرداس، حضرت عباس، حضرت سفیان وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ (دور نبوی کا نظام حکومت:109)

## (ب) صوبائی نظام (Provincial Administration):۔

### (1) شہری نظم و نسق:۔

اسلام کی فتوحات کے بعد اور خاص کر مکہ فتح ہو جانے کے بعد اسلامی ریاست کا رقبہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور عرب کے مختلف علاقے خطے اسلامی ریاست کے ماتحت ہو گئے تھے ان میں سے بعض علاقوں میں اپنی حکومتیں تھیں جیسے یمن بحرین حضر موت اور عمان وغیرہ اور بقیہ علاقہ جات میں قبائلی نظام تھا۔ مدینہ طیبہ کی نبوی حکومت کو ان تمام علاقوں کا انتظام و انصرام سنبھالنا تھا اور ان مقبوضہ و محروسہ علاقوں سے کوئی تعلق بھی رکھنا تھا چنانچہ آغاز میں تو دوستی و حلف کے تعلقات استوار ہوئے تھے رفتہ رفتہ قریبی علاقے از خود اسلامی حکومت کے زیر کنٹرول آ گئے لیکن دور دراز علاقوں کے انتظام و انصرام کا مسئلہ درپیش ہوا۔ چنانچہ اس سلسلے میں گورنر مرکزی منتظم یا والی مقرر کیے گئے تا کہ عرب کے مختلف علاقوں کو مرکز حکومت سے وابستہ کیا جائے اور پوری ریاست ایک انتظامی ڈھانچے میں پرو دی جائے۔

### (1) والی (ولاۃ) گورنر (Governors):۔

اسلامی ریاست کو مختلف اور باقاعدہ ولایتوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

ایک اندازے کے مطابق اسلامی ریاست ۲۷ ولایتوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک ولایت کا والی مقرر کیا گیا تھا جو اپنے علاقے میں نظم و نسق میں خود مختار ہوتا تھا ان ولایات میں سے

بعض کے والی اور دیگر تفاصیل یہ ہیں۔

(1) ولایت وادی القریٰ:۔

غالباً وادی القریٰ پہلا علاقہ تھا جو کسی والی ماتحتی میں آیا اور قرآئن کے مطابق ۷ھ میں حضرت عمرو بن سعید بن عاص اموی مقرر کئے گئے تھے۔ (فتوح البلدان:57)

(2) ولایت یمن:۔

حضرت بادان جو یمن کے بادشاہ رہ چکے تھے ان کو یمن کا حاکم و گورنر بنایا گیا۔
(دورنبوی کا نظام حکومت:133)

(3) ولایت تیماء:۔

حضرت یزید بن ابی سفیان کو تیماء کی ولایت سونپی گئی تھی۔ (فتوح البلدان:57)

(4) ولایت خیبر:۔

حضرت سوداء بن غزیہ خزرجی کو خیبر کی گورنری تفویض ہوئی۔ (اسد الغابہ:2/590)

(5) ولایت مکہ:۔

حضرت عتاب بن اسید کو مکہ اور اسکے ماتحت علاقوں کا گورنر اور والی مقرر کیا گیا تھا۔
(ابن ہشام:3/143)

(6) طائف کی ولایت:۔

طائف کے علاقے میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کو گورنر مقرر کیا گیا۔
(دورنبوی کا نظام حکومت:124)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مرکزی سطح پر نظام قائم کرنے کے ساتھ ساتھ صوبائی سطح پر بھی انتظام و انصرام کے لیے افسروں اور ولاۃ (گورنروں) کی تقرری فرمائی۔ بلاشبہ یہ آپ کی تنظیمی صلاحیتوں کا واضح ثبوت ہے۔

مقامی سطح کے منتظمین (Local Administrators):۔

عرب میں قبائلی نظام تھا اس لیے مرکزی افسر و منتظمین والی اور صوبائی افسر نہ تو مقامی

معاملات ومسائل کو بدرجہ اتم سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں سلجھانے کی صلاحیت رکھتے تھے (اگر چہا ن علاقوں میں جہاں مقامی لوگوں میں سے کوئی افسر ہوتا ہوگا یہ صورت حال پیش نہ آتی ہوگی) اس وجہ سے ہر زمانے اور ہر علاقے میں ایسے لوگوں کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے جو مقامی مسائل کر سمجھ سکیں اور انکا حل بھی تلاش کریں اور ساتھ ہی لوگوں میں اعتماد و وفاداری پیدا کر سکیں لہذا ان اسباب ووجوہات کی بناء پر مقامی منتظمین کی تقرری ناگزیر ہوگئی تھی تا کہ وہ مقامی سطح کے مسائل لوگوں کے مزاج، طور اطوار، طرز رہن سہن اور جغرافیائی ضروریات سے واقف ہونے کی بناء پر بطریق احسن، قیام امن اور نظم ونسق میں اہم کردار ادا کر سکیں۔

عام طور پر مقامی منتظمین اپنے اپنے علاقوں کے سربرآوردہ لوگ یا علاقے کے قبائلی سردار ہوتے تھے لیکن بعض علاقوں میں شیوخ وسرداران قبائل نے اسلام قبول نہ کیا ہوتا تھا تو اس علاقے کے مسلمانوں کا ایک مقامی سردار مقرر کر دیا جاتا تھا اور اس تقرری میں رسول اکرم ﷺ کو کامل اختیار ہوتا تھا لیکن آپ ہمیشہ قوم کے لوگوں کی خواہشات وجذبات کا احترام فرماتے تھے اور ایسے شخص کو یہ ذمہ داری عطا فرماتے جو اہلیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی رضا مندی کا حامل بھی ہوتا تھا۔

تاریخی کتب اور ماخذ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۹ھ اور ۳۱-۶۳۰ء سے پہلے عربوں کے وفود بارگاہ نبوی میں آنا شروع ہو گئے تھے انہی زیارتوں کے دوران رسول اکرم ﷺ مختلف قبیلوں کے حالات کے مطابق ان کے سرداروں کا انتخاب فرماتے یا ان کے سرداروں کو ہی برقرار رکھتے جو پہلے سے اس عہدے پر فائز ہوتے تھے۔

قدیم نظام میں مقامی سردار اپنے علاقے، حلقہ اثر اور قبیلے کے تمام مسائل ان کے فیصلے اور جان و مال کی حفاظت وغیرہ کے لئے ذمہ دار ہوتا تھا مگر یہ قبائل جب اسلامی حکومت کے تحت آ گئے تو پھر سردار مرکزی اسلامی حکومت کو بھی جوابدہ ہوتا تھا اور صوبائی ومرکزی منتظمین مقامی مسلمان آبادی اسلامی ریاست کے شہروں کے درمیان رابطہ اور کڑی کا کام بھی کرتا تھا۔

پہلے بحرین پر بالترتیب منذر بن ساوی اور جنید وعبد حکومت کرتے تھے۔ ان حکمرانوں نے جب اسلامی حکومت کی بالادستی قبول کی تو اپنے علاقوں میں مرکزی منتظمین یا نمائندگان رسول کے قیام و

سکونت کی شرط بھی قبول کی چنانچہ

(۱) بحرین میں حضرت علاء بن حضری اوران کے بعد ابان بن سعید اموی (مرکزی اسلامی حکومت) کے نمائندے کی حیثیت سے مقیم تھے۔(اسد الغابہ:149/1)

(۲) اسی حیثیت سے حضرت عمرو بن عاص سہمی عمان میں قیام پذیر تھے اپنے علاقوں کے اندرونی نظم ونسق میں خود مختیار ہونے کے باوجود وہ ان مرکزی نمائندوں کی نگرانی وہدایت کے پابند تھے اوران کی اطاعت ان پر لازمی تھی۔(اسد الغابہ 233/4)

(۳) حضرت عمرو بن الحکم قضاعی کو بنی القین میں بطور نمائندہ بھیجا گیا۔(دور نبوی کا نظام حکومت:124)

(۴) اسی طرح حضرت زرعہ بن سیف والی یزن کے نام نامہ مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرکزی منتظمین کی بالا دستی کے تحت تھے۔(اسد الغابہ:317/2)

## نقباء(Representatives):۔

یہ نقیب کی جمع ہے اسکا معنی قبیلہ یا خاندان کا سردار اور نمائندہ قوم ہے۔ یہ بہت قدیم ادارہ تھا جسکے آثار وشواہد یہودی وعیسائی روایات میں پائے جاتے ہیں۔مصر سے اخراج کے بعد جزیرہ نمائے سینائی میں یہود کے بارہ قبائل میں مختلف قوموں کے تقسیم ہونے کی طرف قرآن حکیم اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

و بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا۔ — ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے۔

(المائدہ 11:5)

ان نقیبوں کی تقرری کا مقصد یہ تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ودیعت کیے گئے اوامر ونواہی اور فرائض الہامی کی ادائیگی میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے مدد ومعاون ثابت ہوں اور اس بات پر بھی نظر رکھیں کہ ان کے متعلقہ قبیلے صراط مستقیم سے نہ بھٹک جائیں یا خداوند قدوس سے کیے گئے اپنے وعدے پر قائم رہیں اسے توڑ نہ ڈالیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے نقباء کا تقرر کم وبیش انہی خطوط پر کیا۔نقیب کی اسی موسوی وعیسوی روایت و سنت کو حضور نبی اکرم ﷺ نے ۶۲۳ء میں اسلامی تہذیب وتمدن میں سمولیا اور مدینہ کے دو قبیلوں اوس وخزرج میں ۱۲ نقیب مقرر فرمائے جنکا ذکر پیچھے کیا جاچکا ہے۔

آپ نے عقبہ میں اکھٹا ہونے والوں سے فرمایا تھا کہ میرے پاس اپنے بارہ سرداروں کو لاؤ جو اپنے اپنے لوگوں کے کفیل وذمہ دار ہوں۔ پھر آپ نے ان سرداروں سے فرمایا تھا کہ تم اپنے اپنے لوگوں (قوم) کے اسی طرح کفیل ہو جسطرح عیسیٰ بن مریم علیھما الصلوۃ والسلام کے حواری ان کے سامنے جوابدہ تھے۔ جبکہ میں اپنی قوم کے لیے ذمہ دار ہوں۔ (ابن سعد:602/3)

یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ نقیب کے عہدے میں مذہبی روح کارفرماتھی اسی کے نتیجے میں یہ سیاسی و معاشرتی ادارہ بنا تھا۔ روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نقیبوں کا یہ ادارہ تا اواخر عہد نبوی کام کرتا رہا تھا اور اسکے نمائندے اپنے اپنے فرائض برابر انجام دیتے رہے تھے۔ تقریباً تمام تاریخی و سیر کے مآخذ کے مطابق نقیب النقباء حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ملال کے بعد شوال ۱ھ مارچ ۶۲۳ء میں بنونجار کے لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان کے لیے کوئی نیا نقیب مقرر کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا تمھارا نقیب میں خود ہوں۔ (ابن سعد:611/3)

حضرت براء بن معرور جنکا تعلق بنوسلمہ کے گھرانے سے تھا صفر یکم ھجری میں انتقال فرما گئے ان کے بعد انکے فرزند حضرت بشر بن براء کو انکے خاندان کا نقیب مقرر کیا گیا تھا۔ (اسد الغابہ:380/1)

## قضاۃ (قاضی) (Justices):۔

عام طور پر یہ گمان کیا جاتا ہے اور غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ عہد نبوی میں قاضی کا عہدہ یا قضاء (ادارہ انصاف) کا ارتقاء نہیں ہو سکا تھا چونکہ تمام پر فیصلے آپ ہی فرماتے تھے اس لیے کسی دوسرے کو یہ منصب سونپنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے اس غلط فہمی کی وجہ مستشرقین کی طاقتور تحریریں ہیں لیکن مآخذ کا مطالعہ کرنے سے اور احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے یہ عہدہ قضاء کی موجودگی اور نظام عدل وانصاف کی فعالیت کے بارے میں واضح ثبوت ملتے ہیں۔

قرآن مجید نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل اور منبع عدل وانصاف کے طور پر بیان فرمایا ہے اور آپکے فیصلوں کو واجب التعمیل اور حکم آخر ہونے کے علاوہ مسلمانوں کو ان فیصلوں کو بلا کسی جھجھک اور دل کی کھٹک کے قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا

فلا وربك لايومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت و يسلموا تسليما۔(النساء 4:65)

پس (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کے وہ اپنے درمیان واقع ہو نے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں۔ پھراس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری۔کے ساتھ قبول کرلیں۔

تاریخی مآخذ اور کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل وانصاف کے سب سے بڑے قاضی (Chief justice) اور حاکم کی حیثیت سے بطور عدالت عظمیٰ (Supreme Court) و مطلقہ آپ نے مدنی دور میں متعدد مسائل و مقدمات کا فیصلہ فرمایا تھا ان میں سے یہودی چور، یہودی زانی، مسلمان زانی مرد وعورت اور مسلمان چور عورت کے مقدمات مشہور ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ریاست اسلامی توسیع پذیر ہوگئی تو جس طرح آپ نے دیگر مسائل وانتظامی معاملات چلانے کے لیے مختلف افراد کا تقرر فرمایا اسی طرح آپ نے قاضی کی ذمہ داریاں بھی بعض صحابہ کے سپرد فرمائیں۔عہد نبوی کے تمام قاضی حضرات چاہے وہ مدینہ ہی میں مقرر ہوئے ہوں یا ولایتوں (Provinces) میں انکی حیثیت مقامی افسران قضاء و انصاف کی تھی۔قاضی القضاۃ (Chief justice) یا پوری اسلامی سلطنت کی آخری و بڑی اتھارٹی آپ ہی تھے اور آپ دیگر قضاۃ کے فیصلوں کو کالعدم قرار دے سکتے تھے۔

ولایات میں قضا کے فرائض عموماً گورنر یا والی انجام دیا تا تھا جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کے بارے میں مآخذ میں صراحتاً موجود ہے۔

چونکہ عہد نبوی میں جدید نظریہ تقسیم فرائض نہیں تھا کہ عدلیہ، مقننہ اور عاملہ علیحدہ علیحدہ شعبہ جات ہوتے اس دور میں عدل وانصاف کا فریضہ عام نظم ونسق کا حصہ ہی تھا اور کوئی افسر و عامل نبوی اس

کی انجام دہی کا مجاز ہوتا تھا۔

بعض مواقع پر اپنی موجودگی میں ہی آپ نے اپنے صحابہ سے فیصلے کرائے جیسا کہ خیبر کے یہودیوں کا فیصلہ حضرت سعد سے کروایا تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک منافق بشیر کا یہودی سے جھگڑا ہوا۔ یہودی نے کہا کہ چلو حضور ﷺ سے فیصلہ کروائیں۔ منافق نے سوچا کہ حضور بلا رعایت حق کا فیصلہ کریں گے اس طرح یہودی کا منشا پورا ہوگا۔ اس منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہودی کعب بن اشرف کے کردار کو جانتا تھا اس نے ہم مذہب ہونے کے باوجود اسے حکم تسلیم نہ کیا اور حضور نبی اکرم ﷺ سے ہی فیصلہ کرانے پر زور دیا۔ مجبوراً منافق چل پڑا فیصلہ اس کے خلاف ہوا۔ منافق نے کہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کراتے ہیں۔ انہوں نے بھی آپ ﷺ کے فیصلہ کو برقرار رکھا۔ پھر منافق بولا کہ میری تسلی نہیں ہوئی عمر سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہودی چل پڑا اور حضرت عمر کو ساری صورت حال بتادی۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو میں ابھی فیصلہ کرتا ہوں۔ آپ گھر گئے تلوار لائے اور منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا جو اللہ اور اسکے رسول کے فیصلے سے راضی نہیں ہے اس کے لیے عمر کا فیصلہ یہ ہے۔

(تفسیر الحسنات: 783/1)

سبحان اللہ یہ تھی اطاعت، اتباع اور محبت رسول ﷺ بعد میں اس منافق کے قبیلے والوں نے شور مچایا اور خون کا بدلہ طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی معذرتیں منظور نہ کیں اور بدلہ نہ دیا کیونکہ وہ گستاخ رسول تھا آپ کا حکم تسلیم نہ کرتا تھا۔

آپ ﷺ کے دور میں فتویٰ اور فیصلہ دینے والے حضرات (قضاۃ) میں خلفاء راشدین، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن حارث، حضرت ابو موسیٰ، حضرت سلمان، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے۔

(دور نبوی کا نظام حکومت: 45)

## بازار کا انتظام:۔

بازاروں (Markets) کے انتظام و انصرام کے حوالے سے بیشتر حکومتیں پریشان رہی ہیں اور انہیں کافی مشکلات کا سامنا رہا ہے کیونکہ اکثر تاجر حضرات انتہائی چالاک ہوشیار اور

شاطر قسم کے ہوتے ہیں۔ان پر قابو پانا کافی مشکل ہوتا ہے۔ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، زیادہ قیمت وصول کرنا، گاہک کو دھوکہ دے کر خراب چیز دینا وغیرہ بڑی بڑی بیماریاں ہیں جو بازاروں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ اسلام نے قرآن اور سنت نبوی ﷺ کے ذریعے سے تجارت کے حوالے سے بے شمار احکامات واصول بیان فرمائے ہیں۔

انتظامی حوالے سے یہ ریاست کی ذمہ داری ہے اور سربراہ مملکت اس بات کا ذمہ دار ہوتا تھا کہ وہ شرعی حدود کے اندر بازاروں کے نظم ونسق کے لیے اقدامات کرے۔چنانچہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تجارتی لین دین کے حوالے سے متعدد احکامات صادر کیے گئے۔آپ بذات خود اکثر بازار کا چکر لگاتے تھے اور دورہ کرتے تھے تاجروں اور خریداروں کے اعمال واخلاق کی درستگی کے لیے احکامات جاری فرماتے تھے۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آپ بازار سے گزرے ایک شخص کے پاس گندم کا ڈھیر دیکھا اس میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے گیلا تھا آپ نے تاجر کو سرزنش کی اور دھوکہ دینے سے منع فرمایا۔
(دورنبوی کا نظام حکومت:147)

اسی طرح نے تجارت میں سود، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی وغیرہ سے بھی منع فرمایا مثلاً
من غش فلیس منا۔ جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔
(الترمذی:157/1)

اس سلسلے میں آپ نے بازار کے نظم ونسق کو بہتر بنانے اور اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے مختلف افسران کا تقرر بھی فرمایا تھا۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق فتح مکہ کے فوراً بعد آپ ﷺ نے بنو امیہ کے ایک فرد، حضرت سعید بن العاص کو مکہ کے بازار کا افسر مقرر کیا تھا۔(ابن سعد:145/2)

اس طرح آپ ﷺ خود بنفس نفیس بازار میں تشریف لے جاتے تھے لوگوں کو امر و نہی کی تعلیم دیتے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں کوڑا بھی ہوتا تھا۔(دور نبوی کا نظام حکومت:149)

آپ ﷺ نے نگران مقرر فرمائے تھے کہ جو شخص شہر سے باہر ہی غلہ کو فروخت کرے اس کو روکیں اور بازار میں لا کر بیچنے کی تاکید کریں۔اس حوالے سے مزید تفصیلات بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر

کتب حدیث کے ابواب البیوع اور کتاب الایمان میں موجود ہیں۔

موجودہ دور میں قومی و بین الاقوامی تجارت (National and International trade) اور درآمد و برآمد (Import & Export) کو خاص اہمیت حاصل ہے اس سلسلے میں ٹریڈ ایسوی ایشنز (Trade Assosiations) اور بیوروز بنائی جاتی ہیں جیسے (EPB.Export Promotion Bureau)

ہر ملک اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانے اور خزانے میں استحکام کے لئے تجارت پر خصوصی توجہ دیتا ہے اور اس سلسلے میں مال کے بدلے مال (Barter Trade) یا مال کے بدلے اشیاء و اجناس دونوں طرح سے تجارت کو فروغ دیا جاتا ہے۔ اس طرح تجارت ملکی معیشت میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکی سطح پر اسکی ترقی کے لئے اقدامات فرمائے اور اصول وقوانین مرتب فرمائے تاکہ صاف ستھری، دھوکہ سے پاک، پر اعتماد اور صحیح تجارت فروغ پاسکے اور اسلامی کردار سازی کے اعلیٰ معیار کے ساتھ منسلک ہو کر عالمی سطح پر فروغ پائے۔

لیکن یہ بات افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ مسلم امہ اس معاملے میں اغیار کی پیروکار نظر آتی ہے اور تجارت میں دھوکہ، جعلسازی، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ وغیرہ جیسی مہلک بیماریوں کا شکار ہے جبکہ اغیار نے اسلام اور مسلمانوں کے تجارتی اصول اپنا کر تجارت میں اعتماد کی فضا قائم کر کے پوری دنیا پر حکومت کرنا شروع کردی ہے۔ اور مسلمان ممالک ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے دست نگر ہیں۔ کاش ہمارے تمام تجار اور ارباب اختیار ملکی و بین الاقوامی تجارت میں سنت نبوی کی پیروی میں امانت، دیانت، صداقت اور سچائی کا دامن تھامیں اور دنیا کے لیے قابل تقلید نمونہ بن جائیں۔ آمین

صلی اللہ علیٰ النبی الامی و آلہ وصحبہ و بارك و سلم

# فصل پنجم

## نبوی دفاعی نظام (Defence System):۔

کسی بھی مملکت کی بقاء، استحکام اور وجود کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ و مامون ہو۔اس کے باسی امن وسکون سے زندگی گزار رہے ہوں۔داخلی و خارجی خطرات و مسائل سے امن پا کر ہی سلطنت و ریاست ایک پرامن، پرسکون اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن مملکت کے طور پر موجود رہ سکتی ہے۔

دفاعی نظام اور خارجہ پالیسی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔اگر آپ کے ہمسایہ ممالک (اور جب خاص طور پر آپ کے نظریاتی دشمن ہوں) کے ساتھ تعلقات بہتر نہیں ہیں تو بھی آپ کو نقص امن اور دشمن کے حملے کا خطرہ موجود رہے گا جس طرح کہ پاکستان و بھارت کی صورت حال ہے۔اسی طرح روس و چیچنیا، فلسطین و اسرائیل کی حالت ہے۔

چنانچہ کسی بھی ملک کے لیے حفاظت اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ اسکا دفاعی نظام، مربوط، ٹھوس اور منظم خطوط پر استوار ہو اور دشمن کے مقابلے میں بنیان مرصوص ہو۔

اسلام دین امن وفلاح ہے یہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی امن اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کی تعلیم دیتا ہے۔اسلام میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں دشمنوں کے مقتولین اور مسلمانوں کے شہداء کی تعداد سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور پھر جنگ کے باقاعدہ قوانین و اصول کا ہونا اسلام ہی کی نمایاں خصوصیت ہے ورنہ عام اصول کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے (All is fair in love and war) اپنایا جاتا تھا اور ابھی تک ہے۔لیکن اسلام نے طریقہ جنگ، دشمنوں سے سلوک، دشمن قیدیوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں سے سلوک کے باقاعدہ قوانین عطا کیے ہیں۔اخلاقی معیار کا وہ شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے جسے دیگر مذاہب نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

مدینہ اسلام کی سب سے پہلی ریاست تھی۔یہ ریاست چاروں طرف سے اندرونی طور پر بھی

مسلمان نما (منافق) دشمنوں اور دیگر غیر مسلم قبائل میں گھری ہوئی تھی پھر بیرونی طور پر بھی طاقتور اور تعداد میں زیادہ دشمن قریش مکہ سے پالا پڑا ہوا تھا۔ ان حالات میں دفاعی صلاحیت کا مضبوط و مستحکم ہونا انتہائی ضروری تھا اور اس کے ساتھ ساتھ خارجہ پالیسی بھی ایسی اپنانا ضروری تھا کہ دشمن کی چالوں سے زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔ اسی طرح کسی بھی ملک کے دفاعی نظام کے لیے اسکی قیادت اعلیٰ اور سربراہ مملکت کا اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں، تدبر، فہم و فراست اور حکمت سے مزین ہونا ضروری ہے کیونکہ سربراہ مملکت کی حکمت عملی اور پالیسی ہی کی بناء پر دفاع مضبوط و مستحکم ہوسکتا ہے اور خارجہ امور میں بہتری آسکتی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ ایک طرف منتظم اعلیٰ ریاست مدینہ تھے تو دوسری طرف آپ کا اصل اور اہم منصب رسول، داعی اعظم اور مبلغ کا بھی تھا اسطرح ایک محاذ پر آپ کو سلطنت مدینہ کے استحکام، سلامتی اور امن و فلاح کے لیے کام کرنا تھا تو دوسری طرف اشاعت اسلام بھی مقصود تھی۔ دشمنان اسلام کی سرکوبی کرنے کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے اسلام کا عالمگیر پیغام بھی لوگوں تک پہنچانا مقصود تھا اور مدینہ کو ایک مستحکم، مضبوط، منظم، داخلی و خارجی خطرات سے محفوظ اسلامی فلاحی مملکت کے طور پر قائم رکھنا بھی آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔

یہ تو ایک ناقابل انکار اور مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ "انسان کامل" تھے آپکی سیرت طیبہ قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی۔ تمام صفات و کمالات کا حسین مرقع تھی۔ انہی صفات و کمالات میں سے ایک کمال آپ کی حیران کن اور تحیر آمیز عسکری قابلیت تھی۔ قلیل تعداد، اسلحے کی کمی، وسائل کی قلت، بیک وقت کئی دشمنوں اور کئی محاذ پر مقابلے کے باوجود جسطرح آپ نے کامیاب جنگی مہمیں سر کیں۔ نہ ہونے کے برابر قتال کے مواقع کا آنا اور جنگی نقصان کا انتہائی قلیل مقدار میں ہونا اور دشمن کو اکثر اوقات صلح کے لئے آمادہ کر لینا بلاشبہ آپکی جنگی و حربی قابلیت و صلاحیت کا مظہر ہیں۔ آیئے اب ذرا تفصیل کے ساتھ آپکے دفاعی نظام کا مطالعہ کرتے ہیں۔

### مدینہ میں فوجی تنظیم:۔

مدینہ میں اسلامی ریاست کے استحکام کا تقاضا تھا کہ فوجی و عسکری تنظیم بھی ہو۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں آباد مسلم امت نہ صرف ہر لحاظ سے کمزور تھی بلکہ دشمنوں میں بھی گھری ہوئی تھی ان چیدہ چیدہ دشمنوں میں

(1) قریش مکہ جو کہ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے اور اسے پنپنے نہ دینے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے درپے تھے۔

(2) مدینہ کے تقریباً بیس یہودی قبائل جو اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے سخت مخالف تھے۔

(3) منافقین جو اندرون خانہ مسلمان بن کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے آستین کا سانپ تھے۔

(4) بدوی قبائل عرب جو مدینہ کے گردونواح میں آباد تھے۔ بدوی روایات کے پیش نظر اسلامی ریاست کے ممکنہ دشمن بن سکتے تھے شامل تھے۔

ان ممکنہ خطرات اور مختلف دشمنوں کے پیش نظر اور اسلام کی تمام دنیا میں تبلیغ و اشاعت کے لیے ضروری تھا کہ ایک لشکر تیار کیا جائے اور عسکری و فوجی تنظیم بنائی جائے کیونکہ اس کے بغیر ریاست کا وجود خطرے میں تھا۔

یہ آپ کی فہم و فراست، دور اندیشی اور دور رس نگاہ مبارک ہی تھی کہ جس نے پہلے دن سے ہی اس بات کو محسوس کر لیا تھا۔ چونکہ آپ ایک عملی انسان تھے اس لیے آپ نے اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد اسکی طرف بھرپور توجہ دی اور ایک فوجی و عسکری تنظیم کے لیے کوششیں اور اقدامات شروع کر دیئے۔

تاریخی حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مدینہ اسلامی ریاست کی عسکری تنظیم نو کو ترقی کرنے میں کافی وقت لگا۔ اسکے ساتھ ساتھ مدنی حیات طیبہ کے دس سالہ دور میں حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدد فوجی افسران اور کارکنوں کی تقرری وقت اور ضرورت کے تقاضوں کے مطابق کی تھی اس طرح رفتہ رفتہ ایک فوجی سلسلہء افسران و عسکری عُمال وجود میں آ گیا۔ ان فوجی افسران کی ذمہ داریوں کی نوعیت کے پیش نظر عہدہ جات کی تقسیم کچھ یوں تھی۔

(1) سالار اعظم

(2) امراء سرایا　　　(3) سالار معسکر

(4) ماتحت افسران　　　(5) علمبرداران

(6) اطلاعی و گشتی دستہ کے افسر (امراء طلیعہ) (7) جاسوس

(8) راہبر (9) اموال غنیمت اور قیدیوں کے نگران افسر

(10) اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر (11) حفاظتی فوجی دستے اور افسر

## (1) سالار اعظم (Chief Of The Army Staff):۔

اسلامی فوجوں کے سالار اعظم اور افسر اعلی حضور نبی اکرم ﷺ بذات خود تھے۔

فوجی تنظیم نبوی کے تاریخی ارتقاء کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسکا تاریخی نوعیت کے لحاظ سے مطالعہ کریں۔ چنانچہ اس اعتبار سے آغاز امراء سرایا سے ہوتا ہے کیونکہ یہی فوجی تنظیم سازی میں پہلی اینٹ اور اس کے بانی یا نقطہ آغاز تھے۔

## (2) امراء سرایا (فوجی مہمات کے قائدین) (Commanders):۔

روایات کے مطابق ہجرت مدینہ کے چھ ماہ بعد آپ نے پہلی فوجی مہم ترتیب دی اور اسکی قیادت کا پرچم اپنے ایک صحابی کو عطا فرمایا پھر اسی ماہ دوسری مہم دوسرے صحابی کو عطا فرمائی اور یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ بعض مہمیں آپ خود بھی لے کر گئے۔

سریہ اس مہم کو کہا جاتا ہے جسکی قیادت آپ نے کسی صحابی کو سونپ دی ہو اور غزوہ ایسی فوجی مہم کو کہا جاتا ہے جس میں خود حضور نبی اکرم بنفس نفیس شرکت فرمائیں۔

ابن سعد کے بقول پہلی مہم ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان یکم ہجری (مارچ ۶۲۳) میں ترتیب دی گی اور پہلے امیر سریہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مقرر ہوئے۔ (ابن سعد:6/2)

ابن سعد ہی کے مطابق آخری مہم حیات مبارکہ کے آخری ایام میں ماہ صفر کے اختتام پر حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں مرتب کی گئی۔ (ابن سعد:189/2)

درمیانی عرصے میں اس منصب پر تقریباً ۷۲ تقرریاں عمل میں آئیں جبکہ امرائے سریہ کی تعداد ۴۷ تھی کیونکہ چھ امراء میں یہ سعادت دو مرتبہ حاصل کی تھی جبکہ غزوات نبوی کی تعداد ۲۷ ہے اسطرح امراء سرایہ ۴۹ اور تقرریاں کی تعداد ۴۷ تھی یہ عہدہ دار مستقل مقرر نہیں ہوتے تھے بلکہ عارضی ہوتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی مستقل سالار لشکر نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

اسلامی ریاست کی کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی ضرورت کے وقت مسلم آبادی سے بالغ مردوں کی فوج بنالی جاتی تھی اور ضرورت ختم ہو جانے کے بعد توڑ دی جاتی تھی۔

## (3) سالار معسکر (Adminitrative Officer):۔

معسکر کا مطلب لشکر کا پڑاو یا خیمہ گاہ ہے اسکا سالار عموماً اسلامی فوج کا سالار اعظم ہی ہوا کرتا تھا اور جب رسول اکرم ﷺ موجود ہوتے تو ساتھ ساتھ کیمپ کمانڈر بھی موجود ہوتے تھے بہر حال دو واضح مثالیں اس سلسلے میں موجود ہیں کہ آپ نے اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین سالار معسکر بنایا تھا۔

ابن ہشام کے بیان کے مطابق آپ نے غزوات بنونضیر اور خیبر کے دوران حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی اور عثمان بن عفان اموی کو اپنا جانشین و سالار معسکر بنایا تھا اور آپ کی غیر موجودگی میں یہ دونوں حضرات سالار افواج بھی مقرر کیے گئے تھے۔ (ابن ہشام:342/3)
اس طرح یہ بھی امراء سریہ کی ہی ایک شکل بن جاتی ہے۔

## (4) ماتحت افسران (Subordinate Commanders):۔

آپ ﷺ سپہ سالار اعظم تھے تمام کی تمام فوج آپ کی ہی زیر نگرانی ہوتی تھی۔ بہتر نظم ونسق اور فوج میں ارتباط کے لیے نیز ان سے زیادہ سے زیادہ دفاعی کام لینے کے لئے آپ اپنے ماتحت مختلف چھوٹے دستوں پر افسر مقرر فرماتے تھے۔ ان افسران میں
امراء میمنہ، امراء میسرہ۔ امراء مقدمہ، امراء ساقہ، امراء رماۃ وغیرہ شامل ہیں۔
جسطرح کہ غزوہ احد کے موقع پر آپ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیر کی امارت میں مقرر فرمایا تھا۔ (ابن سعد:39/2)
بدر میں ساقہ کے امیر حضرت قیس بن ابی صعصعہ تھے۔ (اسد الغابہ:408/4)

## (5) علمبردار (Banner Holders):۔

عرب کی فوجی روایات میں مہم کے دوران یا میدان جنگ میں پرچم یا علم کا محافظ ہونا بڑی عزت کی بات تھی اور عام طور پر کسی ایک قبیلے یا خاندان کو یہ اعزاز حاصل ہوتا تھا۔ ہر قبیلے کا اپنا

علیحدہ پرچم ہوتا تھا جو اس کا نقطہ اجتماع اور نشان وقار ہوتا تھا کیونکہ علم یا پرچم کے قریب ہی سالار موجود ہوتا تھا۔

مکی اشرافیہ میں علمبرداری کا اعزاز قریش کے خاندان بنو عبدالدار کو قدیم زمانہ یعنی کہ قصی بانیء مکہ شہر کے زمانے سے موروثی طور پر ودیعت ہوا تھا اور زمانہ جاہلیت یا عہد رسالت میں قریش نے جتنی بھی جنگیں لڑیں ان سب میں اسی خاندان کو پرچم اٹھانے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔
(ابن اسحاق 374 بحوالہ نقوش 552/5)

غزوات نبوی میں بھی یہ روایت جاری کی گئی اور اس سلسلے میں پہلا اعزاز سالار سریہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی کو ملا تھا۔ (ابن سعد: 6/2)

غزوات نبوی میں انکا ایک مخصوص افسر ہوتا تھا۔ جب کبھی اسلامی افواج میں مختلف قبائل یا دستے ہوتے تھے تو ان میں سے ہر ایک کے ایک یا کئی پرچم ہوتے تھے اور اتنے ہی اسکے افسر لیکن ان قبائلی پرچموں کے علاوہ اسلامی ریاست کی نمائندگی کرنے کے لیے رسول اکرم ﷺ کا ایک مخصوص علم مبارک ہوتا تھا جسے آپ ﷺ کسی صحابی کے سپرد کر دیتے تھے۔ جیسا کہ بدر و احد میں یہ خدمت حضرت مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی تھی۔ (ابن سعد: 41/2)

اسی طرح غزوہ خیبر میں ایک بڑے قلعہ کی فتح پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا۔ (ابن سعد 110/2)

## (6) گشتی و اطلاعی دستے کے افسر (Reccee & Patroling Officers):۔

رسول اللہ ﷺ نے عسکری تنظیم میں طلیعہ کے شعبہ کو خاصی اہمیت دی تھی کیونکہ وہ فوج کے لیے بعض اہم کام سرانجام دیتا تھا۔

طلیعہ کا کام دشمنوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنا، ان کے سپاہیوں کو پکڑ کر لانا، خیمہ گاہ کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنا، پانی اور چارہ وغیرہ کی جگہوں کا پتا چلانا تھا۔

### طلیعہ اور عیون میں فرق:۔

طلیعہ اور عیون (جاسوس) کے کام میں نازک سا فرق ہے غالباً اسی وجہ سے ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی طلیعہ کے کام کو جاسوسی کے تمام شعبے کا ایک حصہ سمجھ لیا ہے۔ (عہد نبوی کے میدان جنگ: 53)

بہر حال طلیعہ اور عیون کے کام میں واضح فرق تھا۔ طلیعہ عام طور پر ایک چھوٹی سی جماعت ہوتی تھی۔ جو تین سے لیکر بیس افراد پر مشتمل ہوتی تھی جبکہ جاسوس ایک یا دو بھیجے جاتے تھے۔ طلیعہ کا کام اعلانیہ اور جاسوسوں کا کام خفیہ تھا۔ طلیعہ فوج کا حصہ تھی جبکہ جاسوسوں کے لیے فوج کا حصہ ہونا ضروری نہیں تھا۔

طلیعہ کی پہلی مثال جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے جب رسول اکرم ﷺ نے چار نفر حضرت زبیر بن عوام، علی بن ابی طالب، بسبس بن عمرو اور سعد بن ابی وقاص پر مشتمل جماعت جنگ بدر سے ذرا پہلے دشمنوں کے بارے پتہ لگانے کے لیے بھیجی تھی۔ (طبری:268/2)

یہ جماعت بدر کے کنویں تک پہنچی اور مکی فوج کے پانی پلانے والے بہشتیوں کو پکڑنے میں کامیاب بھی ہوگئی جن سے پہلی بار یہ راز کھلا کہ مکی فوج بدر کے گردونواح میں پہنچ چکی ہے۔ (طبری:269/2)

اسد الغابہ کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کے دو شخص حضرات مالک بن خلف اور انکے بھائی نعمان بن خلف رضی اللہ عنہ اس طلیعہ کے رکن تھے جن کو رسول اکرم ﷺ نے جنگ احد سے کچھ قبل اطلاعات فراہم کرنے کے لیے بھیجا تھا اور وہ دونوں اپنے فرائض کی انجام دہی میں شہید ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ 19/5:)

ربیع الاول چھ ہجری جب نبی اکرم ﷺ نے بنولحیان کے خلاف ایک مہم کی قیادت کی تھی تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دس سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ الغم نامی مقام تک جا کر دشمن کے ارادوں کا پتہ لگائیں۔ (ابن سعد:79/2)

اس سے واضح ہوا کہ طلیعہ گوناگوں قسم کے کام انجام دیتا تھا۔ جو نہ صرف مسلم افواج کے لیے ضروری ہوتے تھے بلکہ اکثر و بیشتر ان کی وجہ سے اسلامی فوج کو دشمن کے مقابلے میں زیادہ فوجی فوائد حاصل ہوتے تھے اور مسلمان قلت کے باوجود کثرت پر حاوی ہو جاتے تھے۔ یوں طلیعہ مسلم کامیابیوں کی ایک کلید بن جاتا تھا بلاشبہ اس شعبہ میں بھی آپ کی اعلیٰ عسکری انتظامی صلاحیتوں کا دخل تھا۔

(7) جاسوس (Spies):۔

موجودہ زمانے میں بھی قرون وسطی کی مانند جنگی چالوں کی کامیابی جاسوسوں کی خبر گیری پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ آج کل بھی ہر ملک میں فوجی جاسوسی کا شعبہ الگ منظم اور فعال ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فوجی تنظیم کے اس شعبے کو بھی باقاعدہ مرتب، منظم اور مربوط کیا۔ آپ نے اپنے دس سالہ مدنی دور میں جاسوسوں سے بڑے اہم کام لئے تھے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً تمام مہموں کے دوران انکی خدمات سے فائدہ اٹھایا تھا۔ (عہد نبوی کے میدان جنگ:57-53)
فوجی دستوں کی پہلی دستاویزی مثال کا تعلق غزوہ بدر سے ہے جبکہ آپ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بدر کی جنگ سے کچھ پہلے شام سے لوٹنے والے قریشی کاروان کی خبر حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ (ابن سعد:11/2)
غزوہ بدر ہی کے موقع پر آپ ﷺ نے دو جاسوس بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء قریش کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمائے۔ (ابن سعد:12/2)
غزوہ احد کے دوران دو حقیقی بھائی حضرت انس بن فضالہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مونس بن فضالہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے جاسوس بنا کر دشمن کی خبر لانے کے لیے بھیجا وہ موقع پا کر قریشی سپاہیوں میں اسطرح مل گئے کہ کوئی بھی انہیں پہچان نہ سکا پھر وہ واپس نکل آئے اور آپ کو اطلاعات فراہم کیں۔ (ابن سعد:37/2)
قریشی لشکر کے اُحد پہنچنے کے بعد دشمن کی طاقت، ارادے اور تعداد کا اندازہ لگانے کے لیے آپ نے امور حرب کے ماہر اور عالم فنون جنگ حضرت حباب بن منذر خزرجی کو جاسوس بنا کر بھیجا۔ (ابن سعد:37/2)
اسد الغابہ کے بیان کے مطابق واقعہ رجیع کے بعد حضرت امیہ بن خویلد ضمری کو قریش کے منصوبوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا گیا تھا۔ (ابن سعد:279/1)
صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت بسر بن سفیان خزاعی مکہ سے خبر لائے کہ قریش مسلمانوں کی شہر میں داخلہ کی سخت مزاحمت کریں گے۔ (ابن سعد:95/2)
جاسوسی کا کام نہایت اہم اور خطرناک ہوتا ہے اس لیے اس سلسلے میں عموماً غیر معروف یا کم معروف لوگوں کی خدمت حاصل کی جاتی تھیں یہی وجہ تھی کہ جب وہ دشمن کی فوجوں میں جا گھستے تھے تو ان کو کوئی بھی پہچان نہ پاتا تھا۔

(8) راہبر (Guide):۔

عرب کا زیادہ تر علاقہ صحرا اور ریگستان پر مشتمل تھا یا کوہستانی علاقہ جات تھے اس لیے

صحراؤں میں جہاں پگڈنڈی یا راستہ نہ ہوتا تھا گم ہو جانے اور راستہ بھٹک جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔اس سے افواج یا کاروان کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ تھا۔اس لیے تمام کاروانوں، مسافروں اور افواج کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ راہنما، راہبر یا دلیل کی راہنمائی حاصل کریں۔سیرت نبوی کے ضمن میں ہمیں سماجی، مذہبی، معاشرتی، سیاسی اقتصادی اور عسکری حوالے سے ہر شعبہ زندگی میں قدم قدم پر راہبروں کے حوالے ملتے ہیں یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہے۔کہ آپ نے تمام مہمات میں راہبروں کی خدمات حاصل فرمائی تھیں چاہے اعلانیہ ذکر ملے یا نہ ملے۔

(1) ہجرت مدینہ کا مشہور واقعہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ نے یہ سفر عبداللہ بن اریقط دئلی کی رہنمائی میں (عرج کے مقام تک) طے کیا تھا۔(ابن سعد:173/3)

(2) عرج سے مدینہ تک کا سفر حضرت سعد العرجی کی رہنمائی میں طے فرمایا۔(اسد الغابہ:446/2)

(3) ایک مستند روایت کے مطابق احد میں ابوحثمہ حارثی نے رہبری کے فرائض سر انجام دیئے۔(اسد الغابہ:66/2)

(4) غزوہ دومتہ الجندل میں بنوعذرہ کے ایک مشہور راہبر حضرت مذکور نے نبی اکرم ﷺ کی زیر کمان فوج کی رہنمائی کی تھی۔(ابن سعد:62/2)

(5) خیبر کی مہم کی تیاری کے دوران بازار میں آپ ﷺ کو حسیل بن نویرہ ملے آپ نے بیس صاع کھجور کی پیش کش فرمائی کہ اگر وہ رہبری کا کام انجام دیں۔چنانچہ انہوں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور بعد میں مشرف با اسلام بھی ہو گئے۔(الاصابہ:332/1)

(6) اسد الغابہ کے بیان کے مطابق فتح مکہ کے وقت مختصر راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت غالب بن عبداللہ لیثی سے رہنمائی کے لیے کہا۔انہوں نے یہ فریضہ سر انجام دیا تھا۔(اسد الغابہ:321/4)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے عسکری تنظیم کے حوالے سے کوئی بھی پہلو تشنہ نہ چھوڑا تھا۔انتہائی نظم کے ساتھ ساتھ اور بغیر وقت ضائع کئے سفر کرنے جلد از جلد مطلوبہ مقام تک پہنچنے کے لیے آپ نے راہنما مقرر فرمائے اور بعض اوقات یہ کام اجرت پر بھی کروایا۔

(9)مال غنیمت اور قیدیوں کے نگران افسر (Booty&PrisionersOfficers):۔

میدان جنگ میں فتح کے نتیجے میں مال غنیمت کے ساتھ ساتھ دشمن کے سپاہی بھی قیدیوں کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھ لگتے تھے۔ان میں بعض زرفدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کر لیتے تھے اور بعض اسلام قبول کر لیتے تھے کچھ کو انکی مالی و خاندانی حالت کے پیش نظر یا کسی دیگر وجہ کی بناء پر رحمت نبوی سے معاف کر دیا جاتا تھا۔

چونکہ مال غنیمت مسلمان سپاہیوں میں تقسیم ہوتا تھا اس لیے اسکی منصفانہ تقسیم کے لیے ضروری تھا کہ کوئی اسکا حساب کتاب رکھنے والا بھی ہو چنانچہ اس سلسلے میں باقاعدہ افسر مقرر ہوتے تھے۔

(1)اس سلسلے میں ہمیں پہلی مثال یوم الفرقان یعنی غزوہ بدر سے ملتی ہے۔روایت کے مطابق آپ نے حضرت عبداللہ بن کعب خزرجی کو تمام مغانم کا افسر مقرر فرمایا تھا۔(اسد الغابہ:370/3)

(2)اسد الغابہ کی روایت کے مطابق غزورہ بدر کے بعد ہونے والے غزوایات وسرایا میں سے متعدد میں حضرت عبداللہ بن کعب خزرجی خمس کے افسر مقرر کیۓ گئے تھے۔(اسد الغابہ:370/3)

(3)ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت صالح شقران غزوہ مریسیع میں تمام حاصل شدہ مال غنیمت کے افسر مقرر کیۓ گئے تھے اور حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو جنگی قیدیوں کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔(ابن سعد:64/2)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوات کے علاوہ سرایا میں بھی افسروں کا تقرر کیا جاتا تھا اس طرح آپ نے دوران جنگ اور بعداز جنگ دونوں حالتوں میں تنظیم اور نظم وضبط کا خیال رکھا۔

(10)اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر (Ammonition&CavalaryOfficers):۔

اس ضمن میں ہمیں تاریخی حوالے سے بہت ہی کم معلومات ملتی ہیں لیکن یہ بات حتمی اور یقینی ہے کہ عسکری تنظیم کے اس شعبہ میں بھی کئی تقرریاں ہوئی تھیں۔ان افسروں کے علاوہ جو اسلحہ اور گھوڑوں کے آزاد اور خودمختار افسر تھے صاحب المغانم بھی اسلحہ کا نگران افسر ہوتا تھا۔ہم جانتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے پاس ابتداء میں کم تعداد میں اسلحہ اور گھوڑے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی ضرورتوں اور دفاع کے شدید تر تقاضوں نے اسلامی ریاست کو اسلحہ اور گھوڑوں کی فراہمی کے لیے تمام تر امکانی کوششیں کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اس لیے قیاس اور منطق کا تقاضا

ہے کہ یہ باور کرلیا جائے کہ ان کے افسر بھی مقرر کیے گئے تھے اور یہ قیاس بلاسند بھی نہیں ہے۔
اسد الغابہ کا بیان ہے کہ بدر سے پہلے رسول اکرم ﷺ نے تین گھوڑے حاصل کئے تھے اور ان کو حضرت اسعد بن زرارہ خزرجی کے سپرد کردیا تھا کہ انکی دیکھ بھال کریں۔(اسد الغابہ:418/2)
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یا کچھ مدت کے بعد تک بھی گھوڑے اور ہتھیار مجاہدین کی ذاتی ملکیت ہوا کرتے تھے جوں جوں جنگی تقاضے بڑھتے اور اسلامی عسکری نظام میں تنظیم وتربیت پیدا ہوتی اسلامی ریاست نے ان کے حصول اور ملکیت کے انتظامات کیے۔
غزوہ حنین کے ضمن میں حضرت عبدالرحمان بن ازہر زہری کو گھوڑوں کا افسر تقرر مقرر کرنے کا حوالہ ملتا ہے۔(اسد الغابہ:422/3)

اسلحہ اور فوجی گھوڑوں کے نگران میں صرف چار کا ذکر مل سکا ہے یہ حضرات سعد بن خزرجی، سعید بن سعد خزرجی، اوس بن خولی اور عبدالرحمان بن ازہر زہری ہیں۔
یہ خدمت بالترتیب عمرۃ القضاء اور حنین میں سرانجام دی گئی تھیں۔(عہد نبوی کا نظام حکومت:62)
حضرت سعد بن مالک ساعدی آپ ﷺ کے گھوڑوں پر نگران تھے۔(دور نبوی میں نظام حکومت:172)
محمد بن مسلمہ کو آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر گھوڑوں کا افسر بنایا اور اسلحہ پر بشیر بن سعد خزرجی کو عامل (افسر) بنایا۔(ابن سعد:121/2)

## (11) حفاظتی دستے (Body Guards):۔

عسکری تنظیم کے آخر میں حفاظتی فوجی دستے یا محافظ جسم دستوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض ناواقف حضرات موجودہ دور میں باڈی گارڈ رکھنے پر اعتراض کرتے ہیں اور اسے اسلامی نکتہ نظر کیخلاف سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔
دور نبوی میں ان دستوں کا کام نہایت ہی اہم تھا کیونکہ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔اس شعبہ میں وہ تمام افراد شامل ہیں جنہوں نے دوران جنگ، جنگی مہم کی روانگی، جنگ کے بعد واپسی یا دیگر سنگین حالات میں آپ ﷺ کی حفاظت کی تھی۔
زمانہ جنگ میں رسول اکرم ﷺ کی ذات کے لیے خطرات کئی گنا بڑھ جاتے تھے کیونکہ عرب روایات کے مطابق عرب قبائلی سرداروں کو اچانک قتل کرادینے کی اجازت ہوتی تھی۔اگر (معاذ

اللہ) ایسا ہو جاتا تو مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جاتے اور یقینی تھا کہ سارا کام ملیامیٹ ہو جاتا۔ جیسا کہ غزوہ احد کے دوران آپ کے قتل کی افواہ کے وقت ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے واضح طور پر خود اپنی حفاظت کے لیے ہدایات تو جاری نہ فرمائی تھیں البتہ مسلمانوں نے یہ انتظامات از خود کیے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیعت عقبہ ثانیہ میں اوس خزرج نے جو آپ ﷺ کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اسے انہوں نے بخوبی نبھایا۔

آپ ﷺ کی ذات کی حفاظت میں سب سے اہم اور نمایاں ترین حضرات دونوں قبائل کے سردار یعنی حضرت سعد بن معاذ اوسی اور حضرت سعد بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہ تھے۔ بدر کی مہم کے دوران جب آپ ﷺ عریش میں تشریف سجدے میں مشغول تھے تو آپ ﷺ کی حفاظت حضرت سعد بن معاذ اوسی نے کی تھی۔ (طبری:277/2)

غزوہ احد کے بعد رات وقت آپ ﷺ کی حفاظت دونوں سرداروں نے کی اور ساتھ ہی حضرت اسید بن حضیر بھی آپ ﷺ کے مکان کا پہرہ دے رہے تھے کیونکہ شب خون مارے جانے کا خطرہ تھا۔ (ابن سعد:37/2)

حمراء الاسد کی مہم کے دوران اوس و خزرج کے ممتاز سر برآوردہ اشخاص باری باری آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے تھے ان میں سے چار حضرت سعد بن معاذ، حضرت عباد بن بشر، حضرت عبید بن اوس اور حضرت قتادہ بن نعمان کا تعلق اوس سے تھا اور حضرت سعد بن عبادہ، حضرت حباب بن منذر اور حضرت اوس بن خولی کا تعلق خزرج سے تھا۔

ان دو قبائل کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا مثلاً عمار بن یاسر اور حضرت بلال بن رباح نے متعدد مواقع پر آپ ﷺ کی محافظت کا فریضہ سر انجام دیا تھا۔ (نقوش:572/5)

## اسلامی فوج کی ساخت اور جنگ کا طریقہ (Setting&Fighting Plan):۔

عرب قبائل عموماً جنگ لڑتے تھے تو ان میں کسی خاص قسم کا طریقہ جنگ نہ ہوتا تھا اور نہ ہی نظم ہوتا تھا نہ صف بندی نہ ہی فوج کے حصے کیے جاتے تھے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو اسلام کی پہلی جنگ غزوہ بدر کے موقع پر اسلامی فوج کی شاندار تنظیم آپ ﷺ کی عظیم عسکری صلاحیتوں کا بین ثبوت ہے۔ تاریخ اسلام کے فلسفی اور مستند مورخ ابن خلدون کا بیان ہے کہ جاہلی عربوں کا عام طریقہ

جنگ "الکر والفر" "حملہ و پسپائی تھا لیکن اسلام سے کچھ عرصہ قبل عربوں نے "تعبہ" طریق جنگ اپنالیا تھا۔ جو عجم میں استعمال ہوتا تھا۔ تعبہ کے لغوی معنی صف آرائی کے ہیں۔ اس تبدیلی کی دو وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ عجم کے طریقوں کا انہی کے طریقوں سے توڑ کیا جائے اور دوئم یہ کہ وہ باقاعدہ لڑی جانے والی جنگ کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون (اردو):98-100/2)

طبری کے بیان کے مطابق یہ طریقہ جنگ یا فوجی ساخت دراصل خمیس کہلاتی تھی جسکے معنی پانچ حصوں والی ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

اس ساخت کے مطابق اسلامی فوج کو پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔

------مقدمہ------

میمنہ-----قلب-----میسرہ

--------ساقہ--------

اس طرح اس ساخت کے مطابق اسلامی فوج کے پانچ بڑے حصے تھے جسکی تفصیل یہ ہے کہ

(1) قلب (Centre):۔

فوج کا وہ حصہ جو درمیان میں ہوتا تھا اور اسی حصہ میں سالار اعظم موجود ہوتا تھا۔

(2) میمنہ (Right Arm):۔

فوج کا وہ حصہ جو قلب کے دائیں جانب ہوتا تھا۔

(3) میسرہ (Left Arm):۔

فوج کا وہ حصہ جو قلب کے بائیں جانب ہوتا تھا۔

(4) مقدمہ (Front):۔

فوج کا وہ حصہ جو اصل فوج (یعنی مذکورہ بالا تینوں حصوں) سے کچھ آگے ہوتا تھا۔

(5) ساقہ (Back):۔

فوج کا عقبی (پچھلا) حصہ جو اصل فوج سے پیچھے رہتا تھا تاکہ عقب پر نظر رکھی جا سکے۔ (مقدمہ:98-100)

بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ اسلامی فوج تنظیم میں پانچوں حصوں پر تقسیم کرنے کا عمل بعد میں

شروع ہوا جب وہ زیادہ منظم اور مستقل ہوگئی لیکن یہ بات قابل یقین نظر نہیں آتی۔ مآخذ میں اس بات کے بکثرت حوالے ملتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذاتی زندگی میں مسلم فوج کی صف بندی کرائی تھی۔ (نقوش:541/5)

یہ بات بھی تاریخی حقائق سے واضح طور پر ثابت ہے کہ سالار اعظم حضور نبی اکرم ﷺ قلب لشکر میں موجود ہوتے تھے اور دوران جنگ مسلسل ہدایات جاری فرماتے رہتے تھے جس طرح کہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور خندق کی تفاصیل سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو فوج کی لشکرکشی کے دوران دشمن کے حد مقابل آکر کھڑے ہونے کی ترتیب تھی اسلامی فوج کے مختلف ڈویژن (Divisions) یا مختلف ذمہ داریوں کے لحاظ سے کچھ اس طرح کی تقسیم تھی۔

## اسلامی فوج کی تقسیم (Division Of Islamic Forces):۔

اسلامی فوج نے اپنے سے پیشتر کے جاہلی نظام اور دیگر جنگی قوانین سے بھی بہت سی چیزیں مستعار لی تھیں انھی میں سے فوجی تقسیم یا دستے شامل تھے چنانچہ عرب میں فوج چاہے اسلامی ہوتی تھی یا غیر اسلامی اسکے پانچ اہم ڈویژن ہوتے تھے اور اسلامی فوج میں ایک مزید تقسیم الحرس کی بھی ہوتی تھی۔

(1) المشاۃ (پیدل فوج)

(2) الخیل (سوار فوج)

(3) الرماۃ (تیرانداز)

(4) اھل السلاح (مسلح، زرہ، تلوار وغیرہ سے لیس)

(5) اصحاب الرسد (سامان خورد و نوش اور رسد کا نگران دستہ)

(6) الحرس (محافظ فوج)

ان ڈویژنوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

## 1۔ المشاۃ (یا پیادہ فوج) (Infantry):۔

بدر کی مہم میں پیدل فوج یا المشاۃ کے سالار حضرت قیس بن ابی صعصعہ خزرجی تھے اور ابن سعد نے المشاۃ کو ساقہ بھی قرار دیا ہے۔ (ابن سعد:517/3)

یہ بات قرین قیاس کہی جاسکتی ہے کہ ساقہ پیادہ فوج ہونے کے سبب یہ تضاد پیدا ہوا ہو۔
بہر حال یہ بات تو محقق ہے کہ پوری اسلامی فوج بدر کے مقام پر ایک یا دو کے سوا پیادوں پر مشتمل تھی۔

## 2۔الخیل (سوار فوج)(Cavalary Regiments):۔

اسلامی فوج میں شہسوار فوج ابتدائی مہموں میں نظر نہیں آتی۔غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ۳۱۳ سپاہیوں میں سے صرف دو کے پاس گھوڑے تھے جبکہ مکی حریفوں کے پاس ایک سو شہسوار تھے۔(ابن سعد:12/2)

بدر کے مال غنیمت میں مسلمانوں کو دس گھوڑے حاصل ہوئے جس سے غالباً ان کی شہسوار فوج کی بنیاد پڑی تھی یہ بات تو تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ شروع شروع میں مسلمانوں کی اقتصادی و مالی حالت اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ الخیل پر زیادہ توجہ دے پاتے معاشی حالات کافی دگر گوں تھے۔چنانچہ بعد میں بتدریج اس فوج میں ترقی ہوئی جوں جوں حالات سدھرتے گئے اس سلسلے میں کامیابیاں ملتی گئیں۔یہی وجہ ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے پاس دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور سات سو زرہ بکتر تھے۔(ابن سعد:37/2)

اس کے بعد تمام دوسرے غزوات نبوی میں ہمیں شہسوار دستوں کی مسلسل موجودگی کے حوالے ملتے ہیں چنانچہ مہمات عسفان، غابہ، حدیبیہ، خیبر اور عمرۃ القضاء دو برس کی مدت میں بھیجی گئیں ان میں شہسواروں کا ذکر موجود ہے لیکن انکی تعداد قلیل تھی کیونکہ یہ مہمات معمولی تھیں۔

(نقوش:548/5)

بہر حال فتح مکہ کے موقع پر اسلامی فوج (10,000) میں شہسواروں (الخیل) کی تعداد ڈھائی ہزار کے قریب تھی۔(ابن سعد:135/2)

اسکے بعد غزوہ تبوک میں شہسوار دس ہزار کی عظیم تعداد کو جا پہنچے تھے جبکہ پیادہ کی تعداد ۳۰ ہزار تھی۔(ابن سعد:166/2)

اس مختصر تجزیے سے اسلامی عسکری تنظیم بالخصوص (الخیل) کے شعبہ کا ارتقاء بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ آٹھ برس کی قلیل مدت میں اسلامی فوج کے اس شعبے کی جسامت دو سے بڑھ کر دس ہزار تک جا پہنچی تھی۔

الرماۃ، اہل السلاح، اصحاب الرسد:۔

تیر اندازوں کا دستہ سب سے آگے ہوتا تھا جو دشمن پر تیروں کی بارش کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض مواقع پر ان سے لشکر اسلام کی عقب سے حفاظت کا کام لیا جاتا تھا جیسا کہ غزوہ احد میں پہاڑی درے پر متعین کردہ دستے سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ابن سعد: 47/2)

اھل السلاح سے مراد قلب فوج لیا جاسکتا ہے کیونکہ اس حصے میں ہر طرح سے کیل کانٹے سے لیس افراد موجود ہوتے تھے۔ آپ نے سعید بن زید کو ہتھیاروں کی خریداری کے لیے یمن کی طرف بھیجا تھا۔ (دور نبوی کا نظام حکومت: 173)

بہر حال ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیادہ عسکری تنظیم میں شامل تھے۔

اونٹ اور گھوڑے سواری اور نقل و حمل کے ذرائع تھے۔ رسد کا سامان اگرچہ اونٹوں پر یا پھر پالکی نما سٹریچر بنا کر ان میں لایا جاتا ہوگا۔ بہر حال ان پر مشتمل کوئی خاص دستہ نہ تھا البتہ اس سلسلے میں کسی صحابی کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہوگا جو رسد کے سامان کے حوالے سے ذمہ دار ہوتا ہوگا۔

(6) الحرس (محافظ فوج) (Protectional Forces):۔

جنگ کے زمانہ میں جب اسلامی دستے فوجی مہم پر دشمن کے مقابلے کے لیے گئے ہوتے تھے تو ریاست کے پایہ تخت (Capital) کو بلا کسی محافظ نہیں چھوڑا جاسکتا تھا کیونکہ شہری آبادی اردگرد کے دشمن قبائل کے حملے کا شکار ہوسکتی تھی چنانچہ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ جنگی سوجھ بوجھ تھی کہ آپ کبھی کسی مہم یا سفر پر شہر سے باہر تشریف لے جاتے تو شہر کی حفاظت کے لیے فوج چھوڑ دیتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ اپنا جانشین یا نائب بھی چھوڑ جایا کرتے تھے جو مسلمانوں اور اسلامی مفادات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ تقریباً تمام اہم غزوات کے بیان میں ہم کو ایک محافظ فوج (الحرس) کا ذکر ملتا ہے۔

(1) غزوہ خندق کے پر آشوب موقع پر دو سالاران حرس حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمی بن اسلم رضی اللہ عنہ کو باری باری یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ وہ بالترتیب ۲۰۰ اور ۳۰۰ شہسواروں پر مشتمل دستوں کے ساتھ شہر کا چکر لگاتے رہتے کیونکہ عقب سے یہودی قبیلہ بنی قریظہ کے حملے کا خدشہ تھا۔ (ابن سعد: 67/2)

(2) اسی طرح ربیع الثانی چھ ہجری اگست ۶۲۷ء میں جب آپ ﷺ غطفانی قبائل کے خلاف مہم

میں مشغول تھے تو حضرت سعد بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہ کو ۳۰۰ سپاہ پر مشتمل ایک محافظ فوج کا سالار مقرر کیا تھا۔(ابن سعد:80/2)

(3)فتح مکہ کے موقع پر لشکر کی حفاظت کے لیے حضرت عمر بن الخطاب کو عامل حرس بنایا گیا تھا۔(ابن سعد:135/2)

## اسلامی ریاست کا اسلحہ ڈپو (Ammonition Depot.):۔

عہد نبوی میں تمام فتوحات اور بیشتر مہموں میں مسلمانوں کو اموال غنیمت میں متعدد اشیاء کے علاوہ ہتھیار بھی حاصل ہوتے تھے اس طرح مسلم مجاہدین کے اسلحہ خانہ میں خاصا اضافہ ہو جاتا تھا۔اور حملے کی طاقت بڑھ جاتی تھی۔

مکی فوج کے ساتھ دوسرے تصادم میں مسلمان ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس نظر آتے ہیں اور کم از کم سو مجاہدین زرہ بکتر پوش تھے۔(ابن سعد:39/2)

ہتھیاروں اور دوسرے آلات حرب پر مشتمل بڑی تعداد میں اسلحہ کی کھیپ غزوہ خیبر کے دوران مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھی۔

نقوش کے مطابق قلعہ نطاۃ کے زوال کے بعد مسلم ذخیرہ حربی میں ایک قابل مرمت منجنیق اور دو دبابوں (دبابہ اور منجنیق دونوں محاصرہ شکن آلات حرب ہیں ان کے ذریعے قلعہ کی دیواروں کو توڑا جاتا تھا منجنیق دراصل پتھر پھینکنے والا آلہ ہوتا تھا جو سپرنگ کے اصول پر کام کرتا تھا اس کے ایک سرے پر وزنی پتھر رکھ دیا جاتا تھا دوسرے سرے پر دباؤ ڈالا جاتا تھا اس سے پتھر تیزی سے سامنے والی چیز سے ٹکراتا تھا۔جب کہ دبابہ ایک رواں چلتا پھرتا منارہ ہوتا تھا جسکی کئی منزلیں ہوتی تھیں ہر منزل میں کافی سپاہیوں کے کھڑا ہونے کی جگہ ہوتی تھی اور یہ سپاہی نقب زنی کے آلات سے لیس ہوتے تھے۔اوپر کی منزل والے تیر کمانوں سے مسلح ہوتے تھے تا کہ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کر سکیں اور دشمن کے تیروں کا جواب دے سکیں ان تمام منزلوں کو کھالوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا پھر اس منارہ کو دھکیل کر قلعہ یا فصیل کی دیوار کے ساتھ لگا دیا جاتا اور تمام منزلوں کے سپاہی اپنے کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔اس کے علاوہ اس دبابہ میں دیوار پر چڑھنے کا بھی سامان موجود ہوتا تھا)۔کے علاوہ کافی بڑی تعداد میں زرہ بکتروں، آہنی خودوں اور تلواروں کا اضافہ ہوا تھا۔(نقوش:567/5)

نوٹ: (آج کل جدید عربی لغت میں دبابہ ٹینک کو کہا جاتا ہے)

لیکن ہتھیاروں کی یہ تعداد مسلمانوں کی روز افزوں ضروریات جنگ کے لیے ناکافی تھے۔خیبر کے یہودی قبائل سے مسلمانوں نے جو ہتھیار حاصل کیے تھے ان کی تعداد یہ تھی۔

| | | |
|---|---|---|
| زرہ بکتر ۸۵۰عدد | نیزے ۳۰۰۰ | آہنی خود ۵۰ |
| ڈھالیں ۱۵۰۰ | تلواریں ۲۲۴۰ | عربی کمانیں مع ترکش ۵۰۰۔ |

(عہد نبوی کی مسلم معیشت میں اموال غنیمت کا تناسب شمارہ 14 اکتوبر دسمبر 82)

عہد نبوی کی دوسری مہموں میں مسلم فوج کافی حد تک کیل کانٹے سے لیس اور ضروری ساز وسامان سے مسلح نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر ۷ھ میں عمرۃ القضاء کی مہم کے دوران دو ہزار مسلم مجاہدین پوری طرح سے مسلح اور زرہ بکتر میں غرق تھے اور ہر قسم کے کیل کانٹے سے لیس تھے۔(ابن سعد:121/2)

اس موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ کی جنگی وعسکری صلاحیتوں اور دور اندیشی کا ایک بہت پیارا واقعہ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق آپ ﷺ نے تمام اسلحہ اور ہتھیار حرم مکہ کے باہر چھوڑ دیئے تھے اور حضرت بشیر بن سعد انصار کو اس کا نگران مقرر فرمایا تھا۔

اس سے آپ کی دور اندیشی، حربی عاقبت بینی اور عملی ہونے کا ایک اہم ثبوت ملتا ہے ماخذ کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے کسی مسلمان نے پوچھا تھا کہ آپ ﷺ اتنے سارے ہتھیار اور اسلحہ کیوں لائے ہیں جبکہ قریش نے ہم پر یہ پابندی عائد کردی ہے کہ ہم مکہ میں صرف تلواروں کیساتھ داخل ہوں اور کوئی دوسرا ہتھیار ہمارے پاس نہ ہو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا تھا "ہم ان کو اپنے ساتھ لے کر حرم مکہ میں داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ ہمارے قریب ہوں گے اور کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم ان کو آسانی سے استعمال کر سکیں گے"۔(نقوش:228/12)

یہ فراست نبوی تھی جو محض غلط قسم کے توکل پر بھروسا نہیں کرتی تھی بلکہ ہر ممکن تدبیر اختیار کرتی تھی یہ اسکا ہی نتیجہ تھا آپ ﷺ کی جنگی تدبیر کامیاب ہوتی تھی۔

روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بعد میں رسول اکرم ﷺ نے تمام اسلحے کی حفاظت کے لیے دو سو سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ حضرت اوس بن خولی کے زیر کمان تعینات کیا تھا۔(ابن سعد:121/2)

فتح مکہ کے وقت بنو سلیم کا آٹھ سو یا ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ لوہے میں غرق تھا کیونکہ ان کے زرہ بکتر چمک رہے تھے اور ان کے نیزوں کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔

ایک روایت کے مطابق انصار و مہاجرین کے دستہ میں ایک ہزار سپاہی زرہ بکتروں سے مسلح تھے مکہ کے سردار ابو سفیان بن حرب نے اسلامی فوج کی شان و شوکت دیکھ کر برجستہ کہا تھا۔ یہ محمد ہیں جو دس ہزار لوہے (حدید) میں غرق سپاہیوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔ (نقوش:570/5)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوتا کہ ۸ سال کے قلیل عرصے میں اسلامی فوج ایک ٹوٹی پھوٹی، ہتھیاروں سے تہی، شہسواروں سے خالی اور غیر منظم فوج سے ترقی کر کے دنیا کی ایک منظم، مرتب، مربوط، ہتھیاروں اور اسلحہ سے لیس شہسواروں پر مشتمل اور عظیم جنگی مشین میں ڈھل گئی تھی۔ اور اس وقت کی تمام فوجوں پر تنظیم میں بازی لے گئی تھی۔ جس نے نہ صرف سیاسی نظام کی بنیاد رکھی بلکہ غیر منظم وحشی اور نظم و نسق سے عاری عربوں کو اسلامی حکومت کا وفادار اور فرمانبردار شہری بنا دیا تھا۔ یہ سب اس منتظم اعلیٰ کی عظیم انتظامی صلاحیتوں کا ہی ثمرہ تھا۔

## عرض (معائنہ) (Inspection):۔

آخر میں عسکری فنون حرب میں ایک فنی اور اہم کام عرض یا معائنہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس سے فوجی سپاہیوں کی تعداد و اسلحہ کی صورت حال وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ کام کسی ماہر صحابی کے سپرد فرماتے تھے جو فنون حرب کی کافی سوجھ بوجھ رکھتے۔ عام معمول یہ تھا کہ اسلامی فوج کا معائنہ اس کے جمع اور اکٹھا ہونے کے بعد ہوتا تھا۔ کبھی کبھار یہ کوچ سے پہلے یا اس کے دوران یا جنگ شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے کیا جاتا تھا۔ بہرحال یہ بات تو یقینی ہے کہ معائنہ کا طریقہ کار پہلی جنگی مہم سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ (نقوش:570/5)

جب اسلامی فوج بدر جانے کے لیے بئر ابی عنبہ نامی مقام تک پہنچی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت قیس بن ابی صعصعہ کو مجاہدین کے معائنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل اور سپاہیوں کا شمار لگا کر حضور نبی اکرم ﷺ کو آگاہ کیا۔ (نقوش:546/5)

ابن سعد کے مطابق معائنہ اس وقت کیا گیا تھا جب فوج شہر سے ایک میل دور جا چکی تھی اور معائنے میں جن مجاہدین کو کم عمر پایا گیا تھا واپس کر دیا گیا تھا۔ (ابن سعد:12/2)

اس طرح غزوہ احد کے موقع پر بھی اسلامی فوج کا معائنہ کیا گیا تھا۔ یہ معائنہ شیخین کے مقام پر ہوا تھا۔ (ابن سعد:39/2)

اگرچہ غزوہ خیبر کے بیانات میں ابتدائی ماخذ معائنہ (عرض) کا کوئی حوالہ نہیں دیتے تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اہم غزوہ میں بھی معائنہ کیا گیا تھا ماخذ کے متفقہ بیان کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت خزرجی کو احوال غنیمت میں مجاہدین کے حصے متعین کرنے کی غرض سے مجاہدین کو شمار کرنے کا کام سونپا تھا۔ اس کے بیان میں عرض بھی آجاتا ہے۔

بہرحال اس ضمن میں اہم ترین نقطہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ غزوہ خیبر کے بعد حضرت زید بن ثابت کو عرض کا مستقل افسر مقرر کر دیا گیا تھا اور کم عمری کے باوجود عہد نبوی میں بقیہ تمام مہموں فتح مکہ، طائف، حنین اور تبوک جیسی بڑی مہموں سمیت یہ کام انہوں نے بخوبی سرانجام دیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عرض کا عہدہ کم از کم مستقل طور پر ایک عہدہ دار کے حوالے کر دیا گیا تھا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کے مستقل افسر تھے۔ (نقوش:547/5)

## صوبائی فوجی نظام:۔

عہد نبوی میں صوبوں کو ولایات کہا جاتا تھا اور ان کا گورنر والی کہلاتا تھا۔ صوبہ یا ولایت کے تمام تر سیاسی، اقتصادی، معاشرتی و معاشی اور عسکری تنظیم کے جملہ فرائض کا ذمہ دار والی یا گورنر ہی ہوتا تھا لیکن بعض مخصوص حالات میں یہ فرائض گورنر کے دائرہ کار سے نکال کر اس کے اندر ایک خاص افسر فوج کے حوالے کر دیے جاتے تھے تا کہ نظام میں زیادہ فعالیت اور بہتری آسکے۔

اس سلسلے میں ہمیں روایت ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے یمن کے مخصوص حالات کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن ربیع مخزومی کو یمن کی مرکزی اسلامی افواج کا افسر مقرر فرمایا تھا۔ اور یہ تقرری غالباً ۹ھ اور ۱۱ھ کے درمیان کسی وقت عمل میں آئی تھی جب حضرت معاذ بن جبل خزرجی وہاں کے گورنر جنرل تھے۔ ماخذ کا مزید بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ربیع مخزومی مدتوں اس عہدے پر فائز رہے تھے۔ (اسد الغابہ:155/3)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کس طرح قلیل مدت میں اسلامی افواج کو ۱۰ عدد گھوڑوں سے دس ہزار اور تقریباً ۷ تلواروں سے بڑھ کر ہزار ہا تلواروں میں تبدیل کر کے دنیا کی سب سے منظم، مستحکم، مربوط اور اعلیٰ اخلاقی کردار کی حامل فوج بنا دیا یہ سب کا سب آپ ﷺ کی اعلیٰ عسکری تنظیم کا ایک شاہکار کارنامہ تھا جو دفاعی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے۔

# فصل ششم

## مالی نظام(Financial Syaystem):۔

کسی بھی ریاست کی تعمیر و ترقی کے لیے اور اس کے باسیوں کی فلاح و بہبود کے لیے امن و امان کے قیام، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لیے اس کے مالی وسائل ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔

تعلیم، ثقافت، سیاست، ترقیاتی منصوبہ جات، قیام امن، دفاع اور دیگر فلاحی امور کے لیے سارے کے سارے نظاموں کے بہتر انداز میں چلانے کے لیے مالی وسائل (Financial Resourses) بہت ہی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت منتظم اعلیٰ ریاست مدینہ اس اہم شعبہ پر خصوصی توجہ دی اور ہر حوالے سے اسلامی ریاست کے مالی وسائل بڑھائے تاکہ کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آیئے ذرا اس نظام مالیات کے حوالے سے مختصراً دیکھتے ہیں۔

### (1) مدینہ میں مسلمانوں کی مالی حالت:۔

اگرچہ مدینہ ہجرت کرتے ہوئے اکثر مسلمان مال واسباب ساتھ نہ لے جا سکے تھے۔ لیکن مستشرقین کا یہ کہنا بالکل بے جا ہے کہ مدینہ کی آبادی مسلمان مہاجرین کا بوجھ نہ سہار سکی اور نعوذ باللہ قافلوں کی لوٹ مار شروع ہوگئی۔

(عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، محرکات، مسائل و مقاصد برھان دھلی دسمبر 82ء اگست 87ء)

بہر حال تاریخی حوالے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نہ مسلم مہاجرین مکہ سے بالکل ناداری و مفلسی کی حالت میں پہنچے تھے اور نہ ہی مدنی معیشت اتنی کمزور تھی کہ مسلمانوں کو روزی روٹی چلانے کے لیے لوٹ مار کی حاجت ہوتی۔ مہاجرین مکہ میں تین قسم کے لوگ تھے۔

(1) متمول (2) اوسط درجے کے مالدار (3) مفلس اور نادار

دراصل مکی مسلم معیشت کے تینوں طبقات اپنی مکمل معاشی حالت کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے۔ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے مالدار اشخاص بھی شامل تھے۔ان کے علاوہ بنو مظعون، بنو غنم بن دودان اور بنو بکیر جیسے متمول خاندان بھی شامل تھے جو اپنی تمام منقولہ جائیداد اور نقد اسباب کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے۔

بہت سے دوسرے طبقے کے مسلمانوں کو بھی اپنی رقم اور دولت کا خاصا حصہ نئے وطن میں لانے کا موقع مل گیا تھا انہی میں سے کچھ بلکہ قلیل تعداد میں ایسے تھے جو سیاسی یا سماجی مجبوریوں کے تحت اپنی دولت یا تو بالکل نہ لا سکے۔یا محض معمولی حصہ لائے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے وقت مسلمانوں کے دو سماجی طبقات تھے۔مہاجرین اور انصار۔ان کے علاوہ یہودیوں پر مشتمل ایک غیر مسلم طبقہ بھی بڑی تعداد میں موجود تھا۔

یہود کا طبقہ اقتصادی حوالے سے نہایت خوشحال تھا بلکہ مدنی معیشت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی ان میں بنو قینقاع اور کچھ دوسرے قبیلے تاجر اور دستکار تھے۔خاصے دولت منداور متمول تھے ان کا اپنا خاص بازار تھا جو غالباً شہر کا سب سے اہم بازار اور تجارتی منڈی تھی۔(نقوش:640/5)

بہر حال انصار مدینہ کا ایک بڑا طبقہ انکا دست نگر تھا۔لیکن ایسا ہر گز نہ تھا کہ انصار پوری طرح سے اپنی معیشت کے لیے ان کے دست نگر ہوں یا ان پر انحصار کرتے ہوں۔انصار لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ تھے اور مہاجرین تجارت پیشہ تھے چنانچہ مدینہ میں بھی مہاجرین نے اس پیشہ کو اپنایا اور کچھ لوگ زراعت میں لگ گئے۔

مدینہ کی مسلم معیشت سے مسلمانوں کی انفرادی دولت مندی کے ساتھ اجتماعی مسلم دولت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔تاریخی ماخذ پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ

(1) قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ خاصے دولت مند آدمی تھے باغات اور زرعی زمینوں کے مالک تھے۔(ابن سعد:615/3)

(2) اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور

کافی جائداد کے مالک تھے۔(ابن سعد:420/3)

(3) حضور نبی اکرم ﷺ نے اول اول قیام حضرت ابوایوب انصاری کے گھر فرمایا تھا ان کا مکان دومنزلہ تھا اور اور ساتھ ساتھ زرعی اراضی اور کھجوروں کے باغات کے بھی مالک تھے اسی سے انکے تمول کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قال لما نزل علی رسول اللہ فی بیتی نزل فی السفل وانا و ام ایوب فی العلو فقلت لہ بابی انت و امی یا رسول اللہ انی اکرہ و اعظم ان اکون فوقک و تکون تحتی فاظھر انت فکن فی العلو و ننزل نحن فتکون فی السفل فقال یا ابا ایوب ان ارفق بنا بمن یغشا نا ان اکون فی سفل البیت۔

(البدایہ و النھایہ :201/3)

جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے تو نچلی منزل میں قیام فرمایا۔اور میں ام ایوب اوپر کی منزل پر تھے۔میں نے عرض کیا میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں میں ناپسند کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نچلی منزل میں ہوں اور میں اوپر کی منزل میں۔آپ ﷺ اوپر تشریف فرماہوں اور ہم نیچے آجائیں گے۔فرمایا اے ابو ایوب ہمارے اور ملاقاتیوں کے لیے سہولت ہے کہ ہم نیچے رہیں۔

(4) حضرت جابر بن عبداللہ کا کھجوروں کا بہت بڑا باغ تھا۔

عن جابر ابن عبد اللہ قال کان بالمدینۃ یھودی و کان یسلفنی فی تمری الی الجذاذ و کانت لجابر الارض التی بطریق رومۃ۔

(صحیح بخاری باب الرطبُ التمر:818:2)

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک یہودی مجھ سے میری کھجوروں کے کاٹنے کے وقت تک بیع سلم کیا کرتا تھا میری ایک زمین (کھجوروں کا باغ) بئر رومہ کے راستے میں تھا۔

اسی طرح مہاجرین میں سے بعض مال اسباب کے ساتھ آئے تھے ان سب سے کچھ زراعت میں

لگ گئے اور اکثر نے کاروبار کو اپنایا اور غیر معمولی قابلیت وصلاحیت کی بناء پر کافی ترقی کر گئے۔
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کے بڑے تاجروں میں سے تھے۔
مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مدینہ میں مسلم معیشت اتنی کمزور نہ تھی کہ انہیں گذر بسر کے لیے غیروں کا سہارا ڈھونڈنا پڑتا۔ چنانچہ اسلامی ریاست اگر مکمل طور پر خوشحال نہیں تو کسی طرح سے بدحال بھی نہ تھی۔

## (2) ریاست مدینہ کے ذرائع آمدن:۔

مدینہ میں مسلم اقتصادیات کی مختصر تفصیل کے بعد اب ذرا ریاست کے ذرائع آمدنی پر نظر دوڑاتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل پانچ قسم کے ذرائع سامنے آتے ہیں۔
(1) عطیات (2) اموال غنیمت (نقد وجنس) (3) اموال غنیمت (جائیداد واراضی) (4) جزیہ (5) صدقات

## (1) عطیات:۔

انصار مدینہ اور مہاجرین کی سخاوت اور دریا دلی اجتماعی وانفرادی عطیات کی صورت میں مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے آمدنی کے ذرائع میں اہمیت کی حامل ہے۔ مہاجرین و انصار اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ ابرو پر جان تک دینے کو تیار ہو جاتے تھے مال دینا تو معمولی بات تھی۔
ابتدائی زمانہ ہجرت میں ایک مرتبہ ایک بھوکا صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا نہوں نے اسکی اس شاندار طریقے سے مہمان نوازی کی کہ اس کی تحسین قرآن مجید میں بھی آئی۔
انہوں نے کھانا صرف بچوں کا ہونے کی بناء پر بیوی کو چراغ بجھانے اور بچوں کو سلا دینے کا حکم دیا۔ خود مہمان کیساتھ خالی منہ ہلاتے رہے اور سارا کھانا اسے کھلا دیا اسکی تحسین یوں فرمائی گئی۔

| | |
|---|---|
| و یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔(الحشر 9:59) | اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ |

اس قسم کی دیگر مثالوں کے لیے ملاحظہ ہوں۔ بخاری، مسلم، کتاب المغازی، کتاب الصدقات، ترمذی باب معیشۃ النبی، ابوداؤد کتاب الادب، الاطعمہ، الصدقات وغیرہ۔

غزوہ خندق کے دوران سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مالدار مہاجرین وانصار نے مسلم فوج کے کھانے پینے کا انتظام کیا تھا۔(نقوش:646/5)

جنگی اور فوجی ضروریات کے لیے مسلم عطیات کی بہترین مثال غزوہ تبوک ہے جس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا مال پیش کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آدھا مال راہ خدا میں دیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلم فوج کی ایک تہائی ضروریات کا سامان فراہم کیا تھا۔(جامع ترمذی:208/2)

غرض عطیات کی ایسی سینکڑوں مثالوں سے تاریخ اور احادیث کی کتب بھری پڑی ہیں۔

## (2) اموال غنیمت (نقد و جنس):۔

تاریخی شواہد اس بات پر گواہ ہیں کہ غزوہ بدر سے پہلے صرف سریہ نخلہ ہی میں مسلمانوں کو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور یہ شراب کے مشکیزوں، کھالوں، خشک کھجوروں اور بعض سامان تجارت اور دو عدد قیدیوں پر مشتمل تھا۔(زادالمعاد:168/3)

دیکھا جائے تو بدر سے پہلے کی اکا دکا مہمات جنگی نوعیت کی نہ تھیں۔ انکا مقصد قریش مکہ کی تجارتی و اقتصادی حالت پر ضرب لگا کر انہیں ہراساں کرنا اور مفلوج کرنا مقصود تھا تا کہ وہ اسلام کی مخالفت سے باز آ جائیں اور مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔

غزوہ بدر پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تھا۔ یہ سامان، ہتھیار (تیر، تلوار، نیزے وغیرہ) گھوڑے، اسباب روزمرہ، چمڑے کی چٹائیاں کپڑے اور کھالوں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ سو کے قریب اونٹ بھی ہاتھ آئے تھے۔(نقوش:648/5)

اسیران بدر سے مسلمانوں کو زر فدیہ کی شکل میں بھی خاصی رقم ملی تھی۔ ابن ہشام اور طبری وغیرہ کے بیانات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیس قیدیوں نے ۷۵ ہزار درہم کی رقم ادا کی تھی، ۱۸ قیدیوں نے چار ہزار درہم جبکہ باقی ۲ قیدیوں نے ایک ہزار درہم ادا کیے تھے۔ اس طرح باقی ماندہ قیدیوں میں سے بھی بعض زر فدیہ دیکر، بعض بچوں کو پڑھا کر اور بعض رحمت نبوی کے طفیل آزاد کر دیئے گئے۔(طبری:290/2)

دوسری مہمات جن سے مسلمانوں کے ہاتھ مال غنیمت لگا تھا وہ یہودی قبیلے بنو قینقاع کے خلاف

غزوہ کدر کی مہم، سریہ قروہ، سریہ مریسیع وغیرہ تھیں جن میں اونٹ اسلحہ نقد مال واسباب بھیڑ بکریاں قیدی، برتن، کپڑے اور دیگر قسم کی اشیاء شامل تھیں۔

(3) اموال غنیمت (جائداد، ارضی):۔

پہلی اراضی اور جائداد جو مسلمانوں کے قبضہ میں بطور مال غنیمت آئی تھی وہ مدینہ کے مالدار یہودی قبیلے بنونضیر کی تھی جنہیں معاہدہ توڑنے اور فسادفی الارض کے جرم میں مدینہ سے جلاوطن کردیا گیا تھا۔ بنونضیر کا قبیلہ کم وبیش بنوقینقاع کی مانند یا اس سے بھی قدرے بڑا تھا لیکن انکی جائدادوں کی مالیت کا صحیح اندازہ مشکل ہے بہرحال اموال بنونضیر کو آپ نے مہاجرین اور دو انصاریوں سہل بن حنیف اور ابودجانہ کے درمیان تقسیم کردیا تھا۔ (ابن سعد:58/2)

احوال بنی نضیر، فدک اور خیبر کے بعض اراضی رسول اکرم ﷺ کی دسترس میں یا صفایا میں شامل تھی جسے فئے بھی کہا جاتا ہے۔ بہرحال وہ مسلمانوں میں تقسیم کی گئی ہو یا اسلامی ریاست کی ملکیت بطور فئے رہی ہو اس سے تمام مسلمانان مدینہ فیض یاب ہوئے تھے۔ آپ اموال بنی نضیر میں سے صدقات تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (ابن سعد:108/2)

اجتماعی طور پر مسلمانوں کے علاوہ اپنے خاندان بنی عبد المطلب کے متعدد افراد اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی انہیں جائدادوں میں سے اتنی پیداوار عطا فرماتے تھے جو ان کے لیے سال بھر کے لیے کافی ہوتی تھی اس سے جو کچھ بچ جاتا تھا وہ اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کیا جاتا تھا۔

عن عمر قال کانت اموال بنی نضیر مما افاء الله علی رسوله مما لم یوجف علیه المسلمون بخیل ولا رکاب فکانت للنبی خاصة فکان ینفق علی اهله نفقة سنة و ما بقی جعله فی الکراع و السلاح عدة فی سبیل الله۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی نضیر کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ نے اپنے رسول پر لوٹا دیئے تھے مسلمانوں نے انکے حصول کے لیے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ یہ اموال بالخصوص نبی ﷺ کے تصرف میں تھے آپ ﷺ ان میں سے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکال لیتے تھے اور

(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر:89/2) جو باقی بچتا تھا وہ جہاد کی سواریوں اور ہتھیاروں کے لیے خرچ کرتے تھے۔

خیبر کی پیداوار میں حصہ:۔

خیبر سے جو بھی زرعی پیداوار حاصل ہوتی تھی اس میں سے مسلمانوں کا حصہ درج ذیل تھا:
کھجور (۴۰،۰۰۰ وسق) جو (۱۵۰۰۰ صاع) نوی (۵۰۰۰ صاع)۔(نقوش:657/5)

(4) جزیہ:۔

جزیہ وہ رقم ہوتی ہے جو کوئی غیر مسلم آبادی یا ریاست مسلمانوں کی حکومت کے زیر کنٹرول آجاتی تھی اور سالانہ جان و مال کے تحفظ اور دیگر سہولیات فراہم کیے جانے کی بناء پر اسلامی حکومت کو دیتی تھی۔

جزیہ کی پہلی مثال دومتہ الجندل کی مہم سے سامنے آتی ہے جو شعبان ۶ ھ میں پیش آئی تھی۔حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اس مہم سے جزیہ وصول کر کے لائے تھے۔

بعدازاں ۸ ھ میں بحرین کے مجوسی طبقات سے وہاں کے مسلم منتظم اور سابق بادشاہ حضرت منذر بن ساوی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسی طبقات کے مقام،حیثیت اور ذمہ داری کے متعلق استفسار پر آپ نے بشرط عہد شناسی و وفاداری فی کس ایک دینار معافری مقرر فرمایا تھا۔

جزیہ کے سلسلے میں ایک واضح اور اہم ترین مثال کا تعلق نجران کے عیسائیوں سے ہے اسکے مطابق دو ہزار جوڑے کپڑے کے،تیس زرہیں،اونٹ،گھوڑے اور ہر قسم کے ہتھیار تیس تیس دیں گے۔(ابوداؤد کتاب الخراج:74/2)

اسی طرح یمن کی تین چھوٹی مملکتوں اعین،معافر اور ھمدان کے تمام غیر مسلم طبقات کے لیے بلاامتیاز فی کس ایک دینار معافری سالانہ یا اس کے برابر کپڑا جزیہ کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔(نقوش:663/5)

(5) صدقات:۔

صدقات ایک وسیع اصطلاح ہے جو کئی محاصل مذہبی کو محیط ہے مثلاً زکوٰۃ،عشر،نصف عشر،عشور،صدقہ فطر وغیرہ کو شامل ہے۔اس مد میں سب سے اہم زکوۃ ہے جو ہر صاحب نصاب پر

سالانہ 2.5% مقرر ہے۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن اور حضر موت وغیرہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا تو انہیں آپ نے ہدایت فرمائی تھی کہ گندم (الحطہ) جو (الشعیر) کھجور (النخل) اور انگور (العنب) کی پیدوار سے صدقہ وصول کریں۔(نقوش:668/5)

غرض پوری سلطنت میں صدقات کا ایک مربوط و موثر نظام موجود تھا جسکی وصولی کے لیے باقاعدہ افسران مقرر تھے۔آیئے اس سلسلے میں مقرر کردہ افسران کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔

## نگران افسر برائے مال غنیمت:۔

مسلمانوں کے حصے میں آنیوالی زمینوں میں خمس کی اراضی کے انتظامات اور نگرانی کے لیے دو طرح کے افسروں کو مقرر کیا گیا تھا جن کو ماخذ میں رؤس کہا گیا ہے۔تمام اراضی پر یہودیوں کا قبضہ برقرار تھا جب فصلیں تیار ہو جائیں تو مدینہ سے ان کے تخمینے کے لیے خارص (افسر تخمینہ) بھیجے جاتے تھے۔ابتداء میں اس کام کی انجام دہی حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی کیا کرتے تھے۔

وقد بعثه رسول الله خارصاً علیٰ خيبر ولم يزل يخرص عليهم الى اخر حياته۔(معجم الصحابه:591/9)

اور عبداللہ بن رواحہ کو آپ نے خیبر کا خارص (تخمینہ افسر) بنا کر بھیجا تھا۔آپ آخر وقت تک یہ کام کرتے رہے۔

غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے فروہ ابن عمرو کو مال غنیمت کا عامل بنایا تھا۔

و امر رسول الله بالغنائم فجمعت و استعمل عليها فروة ابن عمرو البياضي۔(ابن سعد :107/2)

رسول اللہ نے مال غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔پس مال اکٹھا کیا گیا تو آپ نے اس پر فروہ بن عمرو بیاضی کو عامل مقرر کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن کعب بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ مال غنیمت پر متولی تھے اور بدر اور خیبر کے موقع پر نگران مال غنیمت سفیان بن حرب تھے نیز حضرت معیقب بن ابی ۃ ! غنیمت کا حساب کتاب رکھتے تھے۔

(دورنبوی کا نظام حکومت:190)

## خیبر سے حاصل شدہ آمدنی کے مصارف:۔

خیبر سے حاصل ہونے والی آمدنی کے تین بڑے مصارف تھے۔

(1) خاندان بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب

(2) ازواج مطہرات

(3) غریب مسلمان

اس آمدنی کے زریعہ آمدنی میں سے خمس کا افسر صاحب الخمس کہلاتا تھا۔اس کے لیے خاص افسر متعین کیا جاتا تھا مآخذ کے مطابق حضرت محمیہ بن جزء زبیدی عہد نبوی میں خمس کے مستقل افسر تھے۔(اسد الغابہ:114/4)

## صدقات کے نگران افسر (عمال الصدقات):۔

صدقات اور محاصل کی وصولی کا گہرا تعلق افسروں کی تقرری کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اگرچہ ولایات کے والی اس کے ذمہ دار تھے۔تاہم انکی جمع و وصول کا ایک الگ مکمل اور جامع نظام تھا جو عہد نبوی میں وقوع پذیر ہوا اور بعد میں ارتقائی منازل طے کرتا ہوا خلافت راشدہ میں اپنے عروج پر جا پہنچا۔

محاصل و جزیہ کی وصولی کے لیے خاص افسروں کا تقرر کیا جاتا تھا انکے مختلف نام تھے خاص نام عامل تھا۔قرآن مجید میں بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها و في الرقاب و ابن السبيل والمئولفة قلوبهم۔(التوبہ:60:9) | زکوٰۃ تو انہی لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار۔اور جو اسے تحصیل کرکے لائیں (عامل) اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے۔ |

کبھی کبھی کتب تاریخ میں اسکے لیے عامل صدقات کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیونکہ لفظ عامل دیگر معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

تاریخ مآخذ میں مصدق، ساعی، جابی، محصل، صاحب العشور، ولاۃ علی الجزیہ، صاحب الخراج وغیرہ کے نام بھی استعمال ہوئے ہیں۔

یہ عاملین دو طرح کے ہوتے تھے۔

(1) مرکزی عاملین صدقات (2) مقامی عاملین صدقات

(1) مرکزی عاملین صدقات:۔

یہ ایسے تمام عاملین ہیں جنہیں رسول اکرم ﷺ براہ راست مقرر فرما کر مدینے سے بھیجتے تھے اور مختلف علاقوں اور قبائل میں تعینات فرماتے تھے۔

تمام مرکزی عاملین کو ایک پروانۂ تقرری (Authority Letter) ملتا تھا جس میں عاملین کے لیے نہ صرف احکام و ہدایات درج ہوتیں بلکہ جن لوگوں کے پاس بھیجا جا رہا ہوتا تھا ان کے نام بھی ہدایات ہوتی تھیں۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے ایک مکتوب مشترکہ طور پر قضاعہ کے سعد ہذیم اور جذام کو عطا فرمایا تھا جس میں صدقہ کے فرائض بیان کیے گئے تھے اور ان سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ وہ اپنے تمام "صدقہ و خمس" دو سفیران و افسران نبوی حضرت ابی بن کعب اور عنبسہ کو ادا کر دیں۔

یہ دونوں افسر نجران اور حضر موت کے مرکزی و مقامی عاملین بھی تھے۔ (ابن سعد: 270/1)

حضرت عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہ، عبادہ بن بشر، بریدہ بن حصیب، رافع بن مکیث، ضحاک بن سفیان، عکرمہ بن ابی جہل، حذیفہ بن یمان، قضاعی بن عمرو اور متعدد دوسرے ممتاز مرکزی عاملین صدقات تھے۔ یہ تمام ان عہدوں پر مستقل طور پر وصال نبوی کے وقت تک فائز رہے۔ (ابن سعد 160/2:)

ان کے نام اور جائے تقرری یہ تھی۔

| نام | جائے تقرری |
|---|---|
| حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی | بنو اسلم اور بنو غفار |
| حضرت عبادہ بن بشر اشہلی | سلیم اور مزینہ |
| حضرت رافع بن مکیث جہنی | جہینہ |
| حضرت عمرو بن عاص سہمی | فزارہ |
| حضرت ضحاک بن سفیان کلابی | بنو کلاب وغیرہ |

| | |
|---|---|
| حضرت بسر بن سفیان کعبی | بنو کعب / خزاعہ |
| حضرت ابن اللتبیہ ازدی | بنو ذبیان |

ابن سعد نے کے مطابق حضرت عیینہ حصن فزاری کو بنو تمیم کے لیے اسی زمانے میں روانہ کیا گیا تھا۔ (ابن سعد 160/2)
دوسرے ابتدائی مورخین و سیرت نگاروں میں بلاذری نے عہد نبوی ﷺ کے عاملین صدقات کی جو فہرست دی ہے وہ کافی جامع ہے۔ مگر اسے مکمل نہیں کہا جا سکتا یہ فہرست درج ذیل ہے۔

| نام | ذمہ داری کی جگہ |
|---|---|
| حضرت بلال بن رباح حبشی | مدینہ / پھلوں کے صدقات |
| حضرت عباد بن بشر اشہلی | بنو مصطلق / خزاعہ |
| حضرت اقرع بن حابس تمیمی | بنو دارم بن مالک / تمیم |
| حضرت زبرقان بن بدر تمیمی | عوف بن کعب، مقاطس بن عمرو بن کعب، بنو سعد بن زید |
| حضرت مالک بن نویرہ یربوعی | بنو یربوع بن حنظلہ |
| حضرت عدی بن حاتم طائی | طے اور اسد |
| حضرت عیینہ بن حصن فزاری | فزارہ / غطفان |
| حضرت حارث بن عوف مری | مرہ / غطفان |
| حضرت نعیم بن مسعود اشجعی | اشجع / غطفان / عبس بن بغیض وغیرہ |
| حضرت مالک بن عوف | عجز ہوازن (نضر، سعد بن بکر اور ثقیف بن منبہ) |
| حضرت عباس بن مرداس سلمی | بنو سلیم اور بنو مازن |
| حضرت عامر بن مالک بن جعفر | بنو عامر |
| حضرت الاجحم بن سفیان | عذرہ، سلامان، بلی اور کلب (حدود شام کے قریب آباد قبیلہ) |
| حضرت عبدالرحمان بن عوف | بنو کلب (شاخ دومتہ الجندل) |
| حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی | اسلم غفار، جہینہ |
| حضرت رافع بن مکیث جہنی | جہینہ |
| حضرت ابو عبیدہ الجراح فہری | مزینہ، ہذیل، کنانہ |

| | |
|---|---|
| حضرت ضحاک بن سفیان کلابی | بنو کلاب |
| حضرت قرہ بن ہبیرہ قشیری | بنو قشیر، بنو جعدہ |
| حضرت سالف بن عثمان بن معتب | طائف اور احلاف |
| حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی | یمن کے علاقے میں (بطور امیر) (نقوش:678/5) |

ان عاملین کے علاوہ بھی بہت سارے عاملین کا ذکر طبری، اسد الغابہ اور دیگر ماخذ نے کیا ہے طوالت کے پیش نظر انھی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مقامی عاملین صدقات:۔

اس طبقہ میں وہ عاملین شامل ہیں جنکا میدان عمل اور دائرہ کار ان کے قبیلے یا علاقے تک ہی محدود تھا عموماً یہ علاقے یا قبیلے سے صدقات وصول کر کے مرکزی عاملین کے سپرد کر دیتے تھے لیکن یہ امکان بھی ہے کہ مرکزی عاملین براہ راست وصولیاں کرتے ہوں۔

مقامی عاملین میں اکثر و بیشتر اپنے اپنے قبائل یا خاندان کے سردار ہوتے تھے یا مرکز کی طرف سے مقرر کردہ سردار ہوتے تھے۔ ان عمال میں

| | |
|---|---|
| (1) حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی | اسلم اور غفار کے قبیلوں سے صدقات وصول کر کے مدینہ پہنچاتے تھے۔ |
| (2) حضرت حارث بن ضرار | بنو مصطلق سے صدقات وصول کرتے تھے۔ یہ ان کے مقامی سردار بھی تھے۔ (اسد الغابہ:616/1) |
| (3) رافع بن مکیث | جہینہ کے بالترتیب مرکزی و مقامی عاملین تھے۔ |
| جندب بن مکیث | (اسد الغابہ:569/1) |
| (4) عدی بن حاتم | طے کے مقامی عامل تھے۔ (ابن ہشام:247/4) |
| (5) حضرت قضاعی بن عمرو | بنو اسد کے مقامی عامل صدقات تھے۔ (ابن سعد:270/1) |

اسی طرح دیگر روایات کے مطابق

| | |
|---|---|
| حضرت قیس بن عاصم | بنو سعد اور بنو تمیم کے لیے |
| حضرت زبرقان بن بدر | بنو سعد کے ایک خاندان کے لیے |

| | |
|---|---|
| حضرت مالک بن نویرہ | بنو حنظلہ کے لیے |
| حضرت صفوان بن صفوان | بنو تمیم کے مختلف خاندانوں کے لیے مقامی عامل تھے۔ |
| حضرت متمم بن نویرہ | بنو تمیم کے مختلف خاندانوں کے لیے مقامی عامل تھے۔ |
| حضرت غافرہ بن سمرہ | بنو تمیم کے مختلف خاندانوں کے لیے مقامی عامل تھے۔ |

(ابن ہشام:247/4)

## کاتبین صدقات:۔

آپ کے دور حکومت میں دوسرے شعبوں کی مانند مالی نظام کے مختلف محکموں اور شعبہ جات کا حساب کتاب رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوام اور جہیم بن صلت اسلامی ریاست کے اموال وصدقات کے کاتب تھے۔ حذیفہ بن الیمان کھجور کے باغات کے تخمینے کو لکھا کرتے تھے۔ (دور نبوی کا نظام حکومت:77)

## تخمینہ افسران (خرص اور خارص):۔

پیدوار کے تخمینے کو عربی زبان میں خرص کہتے تھے اور یہ کام سرانجام دینے والا افسر خارص کہلاتا تھا۔

ہر فصل پر خیبر کی پیدوار کا تخمینہ لگانے والے افسر حضرت عبد اللہ بن رواحہ خزرجی انصاری تھے۔ (معجم الصحابہ:591/9)

خیبر کے پھلوں کے لیے حضرت عمرو بن سعید اموی کو خارص مقرر کیا گیا تھا۔ (اسد الغابہ:107/4)

نیز حضرت فروہ بن عمرو بیاضی مدینہ منورہ کی پیدوار کا تخمینہ لگایا کرتے تھے۔ (الاصابہ:204/3)

ابوداؤد کی ایک روایات کے مطابق حضرت عتاب بن اسید اموی کو آپ نے مسلمانوں کی انگور کی پیدوار کے تخمینے کا افسر مقرر کیا تھا۔ (معجم الاصابہ:402/11)

## چراہ گاہ کے افسر (عمال الحمی):۔

نظام نبوی میں ایک طبقہ ان افسروں پر مشتمل تھا۔ مدینہ اور اس کے علاوہ کئی دوسری جگہوں پر متعدد چراگاہیں تھیں جو مسلمانوں کے جانوروں کے لیے قائم کی گئی تھیں۔

الجماء کی چراہ گاہ جس پر ایک مکی سردار کرز بن جابر فہری نے حملہ کر کے لوٹ لیا تھا۔(ابن سعد:9/2)
الغابہ نامی بہت ہی مشہور چراہ گاہ کے افسر حضرت ابوذر غفاری کے بیٹے تھے انہیں شہید کر دیا گیا تھا۔(ابن سعد:80/2)
نقیع نامی چراہ گاہ کے افسر حضرت عبید بن مراوح مزنی تھے۔(اسد الغابہ:541/3)
ایک چراہ گاہ ذوالجدر کے منتظم حضرت یسار حبشی تھے ان کو قبیلہ عرینہ کے بعض سرکشوں نے شہید کر ڈالا تھا۔(صحیح مسلم:57/2)

المستوفی (Collector):۔

بعض اوقات کسی خاص علاقے میں آپ ﷺ خود تشریف لے جاتے اور خمس وغیرہ وصول فرماتے اور بعض اوقات خصوصی طور پر کسی کو بطور کلیکٹر (Collector) روانہ فرماتے جس طرح کہ حضرت علی کو نجران میں صدقات و جزیہ کی وصولی کے لیے بھیجا اور ایک مرتبہ آپ ﷺ خود کسی دیہات میں تشریف لے گئے اور کئی اونٹ وصول کر کے لائے۔(دور نبوی کا نظام حکومت:203)

بیت المال (Treasury):۔

تمام صدقات، مال غنیمت اور عطیات وغیرہ ایک جگہ جمع کر دیئے جاتے تھے اس کے لیے باقاعدہ دفتر موجود تھا
بقول ڈاکٹر حمید اللہ
"حکومت کی آمدنی کی نگہداشت کی بھی ضرورت تھی اور یہ کام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا جو موذن بھی تھے اور وزیر خزانہ بھی۔لکھا ہے کہ مسجد نبوی کا ایک حجرہ اس کے لیے مخصوص تھا (گویا Exchequer تھا) جس میں تالا پڑا رہتا تھا یہ کمرہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں رہتا تھا اور اس میں سرکاری ملکیت کی چیزیں رکھی جاتیں تھیں"۔(خطبات بہاولپور:245)
مذکورہ بالا تفصیلات سے ریاست مدینہ کے منظم اور مربوط مالی نظام کے اوپر روشنی پڑتی ہے۔
بیت المال کا قیام پھر اس کا ناظم ایک افسر، عاملین صدقات تقرر اور تقسیم اموال کا ایک جامع نظام بلاشبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک عظیم منتظم ہونے پر واضح اور بین دلیل ہے۔
ریاست کا مالی نظام اس طرح سے مربوط اور منظم تھا۔
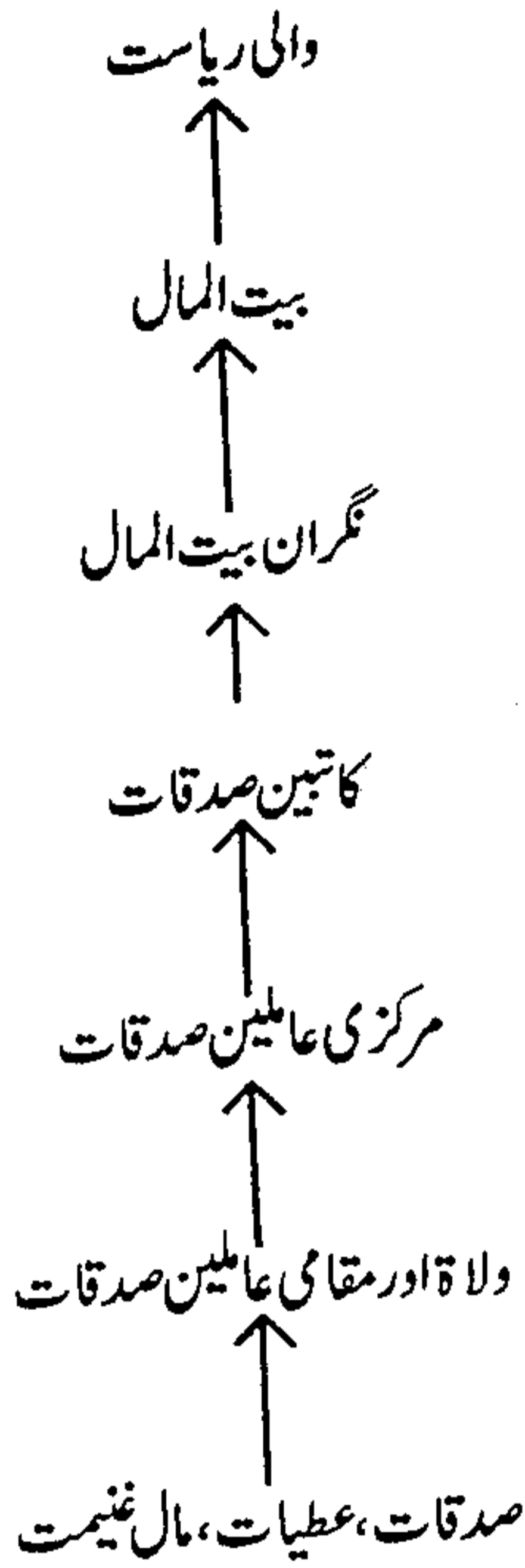
"عہد نبوی میں مالی نظام کے افسروں کو مقرر کرنے کی نبوی حکمت عملی حکومت اور عوام دونوں کی فلاح کے نظریئے پر قائم تھی۔ حکومت نہ تو محصول دہندگان کا استحصال چاہتی تھی اور نہ وہ ان کو بے لگام دولت سمیٹنے کے لیے آزاد چھوڑنا چاہتی تھی بلکہ وہ مالداروں کے ایک حصہ کو وصول کر کے عوام کے غریبوں میں تقسیم کرنا چاہتی تھی"۔ (عہد نبوی کا نظام حکومت:88)

# فصل ہفتم

## نظام تعلیم (Educational System):۔

انسان اپنی عقل، بصیرت، فہم وفراست اور نطق و بیاں کی وجہ سے دیگر مخلوقات سے منفرد اور ممتاز ہے تعلیم و تعلم اور علم ایسی چیز ہے جسکی بناء پر انسان کو خلافت ارضی کا بھی حقدار قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے تعلیم و تعلم پر خاصا زور دیا ہے اور بانی اسلام نے علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض قرار دیا ہے قرآن مجید کے الفاظ

اقراء باسم ربك الذی خلق Oخلق الانسان من علق Oاقراء وربك الاکرمOالذی علم بالقلمO۔
(العلق :1-4/96)

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سبکو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے واسطے سے۔

میں پہلی وحی میں ہی علم کی اہمیت کو اجاگر کر دیا گیا اور صاحب علم و جاہل کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ فرمایا

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

آپ ﷺ فرما دیجیئے کہ سمجھ والے اور بے سمجھے کہیں برابر ہوتے ہیں۔ (یاد رہے کہ دین کی صحیح سمجھ ہی علم ہے)۔

اسی طرح شہادت توحید کے بارے میں بھی اہل علم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولوالعلم قائماً بالقسط۔
(آل عمران :18:3)

اللہ نے (اس بات) پر گواہی دی (گویا آسمان وزمین پر منادی ہوئی) کہ کسی بندگی نہیں سوائے اس کے (یعنی) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی (اپنے اپنے مقام پر گواہی دی کہ) اللہ ہی عدل قائم فرمانے والا ہے۔

علم کی اسی دینی وملی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے آپ نے نہ صرف مکی زندگی میں اپنے صحابہ کو علم و اخلاق سے مزین فرمایا بلکہ مدنی زندگی میں تو باقاعدہ ایک یونیورسٹی صفہ کی شکل میں قائم کر کے تعلیم کو منظم مربوط اور مستحکم نظام میں پرو دیا۔

عہد نبوی ﷺ ۔۔۔۔ ابتدائی تعلیمی حالت :۔

دور جاہلیت میں اور حضور ﷺ کی بعثت کے وقت تک عرب میں لکھنا پڑھنا انتہائی قلیل تعداد میں تھا۔ بہت کم لوگ پڑھے لکھ سکتے تھے۔ قبائلی اور بدوی طرز زندگی میں تعلیم وتعلم کا سمانا انتہائی مشکل کام تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

"عہد نبوی میں مکی دور میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس دور میں پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ شروع ہوئی تھی۔ عہد نبوی کے آغاز میں ۱۷ سے زیادہ آدمی وہاں پڑھے لکھے نہ تھے۔ ان میں بعض عورتیں بھی تھیں جن میں حضرت حفصہ بنت عمر اور شفاء بنت عبداللہ کو پڑھنا آتا تھا۔ (خطبات بہاولپور:298)

اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ تعلیم کی کیا حالت تھی۔ اسلام تو دین تعلیم وتعلیم ہے اسکی سوجھ بوجھ اور اشاعت کے لیے علم کی بہت زیادہ ضرورت ہے اسی لیے تو بانیء اسلام نے علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔ تعلیم کی اشاعت وترویج کے سلسلے میں آپ نے مدینہ منورہ میں ایک جامع نظام قائم فرمایا اور یہ سلسلہ ہجرت کے فورا بعد شروع کر دیا گیا تھا۔

اولین تعلیم وتعلم :۔

حضور نبی اکرم ﷺ پر پہلی وحی کے نزول کے ساتھ ہی "الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم" کے الفاظ میں تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا۔ اسی دن سے الوہی، اسلامی اور نبوی نظام تعلیم کی پہلی اینٹ رکھ دی گئی تھی گویا اس وحی کو "اسلامی نظام تعلیم کا سنگ بنیاد" کہا جا سکتا ہے۔

نبوت سے سرفراز ہونے کے فورا بعد تعلیم وتبلیغ میں مصروف ہونا نبوی نظام تعلیم کا عملی آغاز تھا۔ آپ نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم وتربیت سے مزین کرتے بلکہ انہیں یہ دولت آگے تقسیم کرنے کا بھی حکم فرماتے یوں ایک مختصر مگر مربوط سلسلہ تعلیم چل نکلا۔

مدینہ میں نظام تعلیم:۔

مکی زندگی میں تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کی اشاعت میں آپ نے دن رات ایک کردیا۔ ہزارہا مصائب ومشکلات کے باوجود آپ ؐ نے یہ سلسلہ جاری وساری رکھا۔ چنانچہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے اور ایک خودمختار اسلامی ریاست کے سربراہ بن گئے تو آپ نے تعلیم کی اشاعت کے لیے ایک جامع ،موثر اور مربوط نظام قائم فرمایا جس کے ثمرات سے دنیا آج تک فیض یاب ہورہی ہے اور نور ہدایت پارہی ہے۔

صفہ۔۔۔۔۔ایک رہائشی یونیورسٹی کا قیام (Suffah-a residential university):۔

آپ نے دیرپا مستقل اور منظم بنیادوں پر اسلام کی تعلیم وترویج کے لیے صفہ کا قیام فرمایا۔ مسجد نبوی کے ساتھ ہی ایک چبوترہ جسکے اوپر چھت کے طور پر سائبان بھی نہ تھا مسلمانوں کی پہلی مسجد کہلائی۔

ڈاکٹر حمیداللہ رقمطراز ہیں

یہ "صفہ "وہ مقام ہے جسے موجودہ زبان میں رہائشی جامعہ (Residential University) کہتے ہیں یعنی طلباء کے رہنے کا بھی انتظام اور تعلیم کا بھی۔۔۔۔اہل مدینہ اپنی انتہائی فیاضی کے باعث یہ کرتے کہ جب انصار کی کھجوروں کی فصل تیار ہوتی تو ہر شخص کھجوروں کا ایک ایک خوشہ تحفے کے طور پر لاتا اور اسے مسجد نبوی کے اندر صفہ میں لٹکا دیتا۔ کوئی کھجور پک کر گرتی تو صفہ میں رہنے والے غریب مسلمان اسے کھاتے"۔ (خطبات بہاولپور:303)

اصحاب صفہ (Students):۔

اصحاب صفہ میں دو قسم کے طالب علم تھے۔

(1) کچھ وہ لوگ تھے جو شہر میں رہتے تھے اور پڑھ کر واپس چلے جاتے تھے انہیں آپ (Day Scholars) کہہ سکتے ہیں۔

(2) کچھ ایسے طلباء تھے جنکا کوئی گھر نہ تھا اور وہ رات دن وہیں قیام کرتے تھے انہیں

(Hostlites) کہا جا سکتا ہے۔ یہ دوسری قسم کے طالب علم آپ ﷺ کی خدمت میں دن رات رہنے کی وجہ سے تعلیمات نبوی سے بھی زیادہ مستفید ہوئے اور سیرت کی فیض رسانیوں سے بھی متمتع ہوئے۔ آگے چل کر یہی اصحاب قرآن وحدیث کی تعلیمات کو تمام دنیا میں پھیلانے میں اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ انھی اصحاب صفہ ہی میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو احادیث نبوی کے سب سے بڑے راوی ہیں۔

## طلباء کی تعداد:۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ طلباء کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی ہو گی لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ کثیر تعداد میں طلباء ہر وقت موجود رہتے تھے۔ بعض کتب میں اہل صفہ کی تعداد چار سو تک بیان کی گئی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اقامتی طلباء کے علاوہ ایسے طلباء بھی تھے جو صرف درس میں شریک ہوتے تھے اور پھر بعد میں گھر چلے جاتے تھے۔

مقیم طلباء کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی جو بعض اوقات ستر سے اسی تک بھی ہو جاتی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل 137/3)

ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادہ نے اہل صفہ کے اسی (۸۰) آدمیوں کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ (خطبات بہاولپور: 304)

## نصاب تعلیم اور درجہ تعلیم:۔

اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے کے علاوہ اسلامی احکام یعنی فقہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسکے علاوہ اخلاقیات ومعاشرتی تعلقات کے حوالے سے بھی آپکے درس ہوتے تھے اور تزکیہ نفس وتصوف کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ قرآن وتجوید بھی سکھانے کا انتظام تھا اور قرآن کی سورتیں بھی حفظ کرائی جاتی تھیں یونیورسٹی کے Chancellor چانسلر اور سرپرست اعلی حضور نبی اکرم ﷺ خود تھے اور تعلیمی ورہائشی انتظامات کی آپ خود براہ راست نگرانی فرمایا کرتے تھے۔

درجہ کے اعتبار سے اگر تعلیم کو دیکھا جائے تو وہ ابتدائی درجہ کی تعلیم (Primary Education) تھی کیونکہ اسلام کے حوالے سے ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔

بقول ڈاکٹر حمید اللہ

"مدرسہ میں جن چیزوں کی تعلیم ہوتی تھی اسمیں متعدد شعبے لوگوں کے سپرد تھے۔ کسی کے سپرد یہ کام

تھا کہ وہ لکھنا پڑھنا سیکھ جائے تو انہیں اس وقت تک نازل شدہ قرآنی سورتیں سکھائیں۔ شاید کسی شخص کا یہ کام بھی ہو کہ وہ فقہی احکام سنت رسول اللہ اور نماز عبادات وغیرہ کا درس دے"۔

(خطبات بہاولپور:305)

**نصاب تعلیم:۔**

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس وقت ہر جگہ ایک ہی قسم کا نصاب مروج نہ تھا۔ جو کوئی معلم یا استاد جو کچھ پڑھا سکتا تھا لوگ اس سے پڑھ لیتے تھے۔ بہر حال سیرت اور کتب احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے قرآن واحادیث کی تعلیم کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ نشانہ بازی، پیراکی Swimming میراث Inheritance طب Medical Sciences علم ھیت، علم الانساب اور علم تجوید کی تعلیم بھی دیتے اور اسکا حکم بھی فرماتے تھے۔ (دور نبوی کا نظام حکومت:219,271)

**علوم وفنون کی سرپرستی:۔**

حضور نبی اکرم ﷺ علوم وفنون کی سرپرستی کس طرح فرمایا کرتے تھے اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ کی بحث کافی ووافی ہے۔

"عہد نبوی میں علوم وفنون زیادہ نہیں تھے لیکن جو فنون تھے ترقی پذیر تھے اور انکی ضرورت بھی تھی ان میں سے ایک چیز طبابت ہے اسکے متعلق ہمیں بہت ساری معلومات ملتی ہیں۔۔۔۔۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی بیمار ہوتے ہیں تو آپ اسکی عیادت کو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمھارے قبیلے میں کوئی طبیب ہے جواب میں دو نام بتائے جاتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ دونوں میں جو ماہر ہے اسے بلاؤ۔

اس سے ثابت ہوا کہ آپ طبابت سے ناواقف شخص کو اسکی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ طبیب بن جائے اس طرح ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ جس شخص کو علم طب سے واقفیت نہیں وہ علاج کرے تو اسے سزا دی جائے گی"۔ (خطبات:3/2)

اس حوالے سے مزید معلومات کے لیے طب نبوی پر مارکیٹ میں کافی تعداد میں کتابیں موجود ہیں جن سے آپ کے طب کی سرپرستی اور خود طب میں ماہر ہونیکا واضح ثبوت ملتا ہے۔

دوسرا علم، علم ھیئت تھا جسکی بابت قرآن مجید میں بھی ہے کہ اسکے ذریعے لوگ راستوں کا علم وتعین کرتے تھے۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ کو اس سے اچھی خاصی واقفیت تھی۔ آپ نے مسجد قبا کے قبلے کا تعین فرمایا جو بعد میں سو فیصد درست نکلا۔ اس طرح آپ نے عملاً اسکی افادیت ظاہر فرما کر اسکی سرپرستی فرمائی۔

تیسرا علم، علم الانساب ہے جسکے بارے میں احادیث مبارکہ میں ہی ذکر ہے کہ انساب سیکھنے چاہیں۔ اسکی اہمیت وافادیت یہ ہے کہ محرم سے نکاح نہ ہو قبائل سے تعارف رہے اور خاندانی نظام بھی قائم رہے۔ اسکے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ سے درج ذیل علوم وفنون ثابت ہیں۔ سپہ گری، نیزہ بازی، تیراندازی، شمشیرزنی، کشتی، دوڑیں وغیرہ۔ (دور نبوی کا نظام حکومت: 271)

تعلیم بالغاں:۔

اصحاب صفہ کے ساتھ ساتھ کاروباری صحابہ اور زرعی کام کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فرصت کے اوقات میں صفہ آتے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبوی سے بھی مستفید ہوتے تھے۔

چونکہ مہاجرین کی کثیر تعداد مدینہ میں آباد تھی اس لیے مدینہ کے اردگرد جسے عوالی مدینہ کہا جاتا تھا انصار اور مہاجرین بسنا شروع ہو گئے تھے چونکہ فاصلہ زیادہ ہوتا تھا اس لیے وہ ایک دن چھوڑ کر مسجد نبوی میں آتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے ایسے صحابہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جید صحابی بھی شامل تھے انہوں نے اپنے انصاری بھائی سے یہ معاملہ طے کر رکھا تھا کہ ایک دن وہ حاضر ہو اکریں گے اور ایک دن انصاری صحابی یوں وہ ایک دوسرے کو روزمرہ کی تعلیمات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ (بخاری: 334/1)

دیگر مدارس:۔

عہد نبوی میں نو کے قریب مساجد تھیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا تھا اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کرو سب کے سب مرکزی مسجد میں نہ آیا کریں کیونکہ طالب علموں کی زیادہ تعداد کے باعث تعلیم میں حرج کا امکان تھا۔ (شرح بخاری عینی: 468/2)

## معلمین کا تقرر:۔

مسجد نبوی کی صفہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے والے اکثر معلمین کو حضور نبی اکرم ﷺ نومسلم قبائل میں مقرر فرماتے تھے تا کہ وہ انہیں تعلیم و تربیت دیں اور دین کے احکام و مسائل سے آگاہ کریں۔ پھر یہ معلمین کچھ عرصہ کے بعد واپس بھی آجایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک المناک واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا جب اہل نجد کی درخواست پر آپ ﷺ نے انکی تعلیم و تعلم کے لیے ستر قراء بھیجے مگر انہوں نے دھوکہ دہی سے بئر معونہ کے مقام پر تمام کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ کا آپ ﷺ کو بہت شدید رنج ہوا۔

## جنگی قیدیوں کا فدیہ۔۔۔۔۔۔ لکھنا پڑھنا سکھانا:۔

جنگ بدر میں فتح کے بعد قریش کے ستر سر برآوردہ افراد گرفتار ہو کر آئے تو معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض قیدی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں چنانچہ حضور نبی ﷺ نے ان کے لیے رہائی کا فدیہ فی آدمی دس بندوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا مقرر فرمایا۔ (ابن سعد: 26/2)

## عجمی زبانوں کی تعلیم:۔

عہد نبوی میں عام تعلیم عموماً قرآن مجید اور احادیث نبوی تک ہی محدود تھی تاہم آپ کے پاس غیر ملکی سربراہان مملکت کے خطوط آتے تھے جو غیر زبانوں میں ہوتے تھے آپ کو انہیں غیر مسلموں یا یہودیوں سے پڑھانا پڑتا تھا ان خطوط میں بعض پوشیدہ معاملات بھی ہوتے تھے اس لیے آپ نے ضرورت محسوس کی کہ کوئی قابل اعتماد صحابی یہ زبانیں سیکھے چنانچہ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا" میرے پاس مختلف خطوط آتے رہتے ہیں اور میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی پڑھے تو کیا تم عبرانی زبان کا لکھنا پڑھنا سیکھ سکتے ہو؟ میں عرض کیا جی ہاں چنانچہ میں نے سترہ دن میں وہ زبان سیکھ لی۔ (تاریخ دمشق الکبیر: 446/5)

مورخین نے حضرت زید بن ثابت کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ وہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی جانتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ۳ زبانیں جانتے

تھے۔(نقوش:135/4)

علوم وفنون سپہ گری:۔

آپ کے تعلیمی نظام میں فنون حرب کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔آپ نے بچوں کی ابتداء ہی سے تیراندازی، نیزہ بازی اور تیراکی کی تعلیم دینے کا حکم فرمایا تھا۔اس سلسلے میں آپ خود بھی گھڑ دوڑ اور دوڑوں کے مقابلے، کشتیوں کے مقابلے اور جنگی مشقیں بھی کراتے تھے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔(دورنبوی کا نظام حکومت: 271)

تعلیم نسواں:۔

آپ نے علم حاصل کرنا مردوعورت دونوں پر لازمی قرار دیا چنانچہ اس سلسلے میں بھی مناسب انتظام فرمایا۔

چونکہ مسجد نبوی سب سے بڑی اور مرکزی تعلیمی درسگاہ تھی جہاں ہر وقت صحابہ تعلیم وتربیت میں مصروف رہتے تھے آپ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ "تم اللہ کی بندیوں (عورتوں) کو اللہ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو"۔(بخاری:123/1)

اس کے نتیجے میں خواتین بھی کثرت سے مجالس میں شرکت کرنے لگیں اور آپ نے بعض خواتین کی درخواست پر ایک دن ہفتے میں ان کی تعلیم وتربیت کے لیے مخصوص فرمادیا تھا۔(نجدی:20/1)

عورتوں کے بعض مخصوص مسائل کے سلسلے میں عورتیں امہات المومنین حضرت عائشہ ؓ و حضرت حفصہ ؓ اور دیگر سے رجوع کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ ؓ آپ ﷺ کی تعلیم ہی کی بدولت فقہ، حدیث، تفسیر اور شعروادب میں اعلیٰ پایہ کی عالمہ فاضلہ بن گئی تھیں۔(سیرت النبی:407/2)

مخصوص اساتذہ:۔

عہد نبوی میں بعض ایسے صحابہ کرام ؓ بھی تھے جو مخصوص علوم کی تعلیم کے لیے مختص تھے۔خود نبی اکرم ﷺ صحابہ کو حکم فرماتے کہ قرآن سیکھنا ہو تو فلاں کے پاس جاؤ۔تجوید یا میراث کا حساب سیکھنا ہو تو فلاں کے پاس جاؤ وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن سعید کتابت کی تعلیم دیتے تھے۔(دورنبوی کا نظام حکومت: 41)
عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ وہ درس گاہ میں قرآن اورفن تحریر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔(ابوداؤد: 129/2)
حضرت زید علم الفرائض اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔(اسد الغابہ: 347/2)

**صوبائی نظام تعلیم:۔**

مرکزی سطح کے ساتھ ساتھ آپ نے ولایات یا صوبہ جات میں بھی تعلیم کا نظام قائم فرمایا تھا۔چنانچہ بعض مقامات پر مرکز سے معلمین بھیجے جاتے تھے جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہوا اور کچھ صوبہ داروں یا گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ عمل شامل کر دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا بھی خاطر خواہ انتظام کریں۔یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام طویل تحریر نامہ میں یہ ہدایت بھی ہے کہ وہ لوگوں کے لیے قرآن حدیث فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست بھی کریں۔(ابن ہشام: 241/4)

مذکورہ بالا تفصیلات سے عہد نبوی کے نظام تعلیم کے حوالے ایک خاکہ ذہن میں آتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس اہم شعبہ آپ نے کس قدر توجہ فرمائی اور ایک نظام قائم فرمایا جس کے تحت ہر بچے، جوان، بوڑھے اور مرد وعورت کو تعلیم کے زیور سے مزین کیا گیا۔عہد نبوی کے نظام تعلیم کا خاکہ کچھ یوں ہے۔
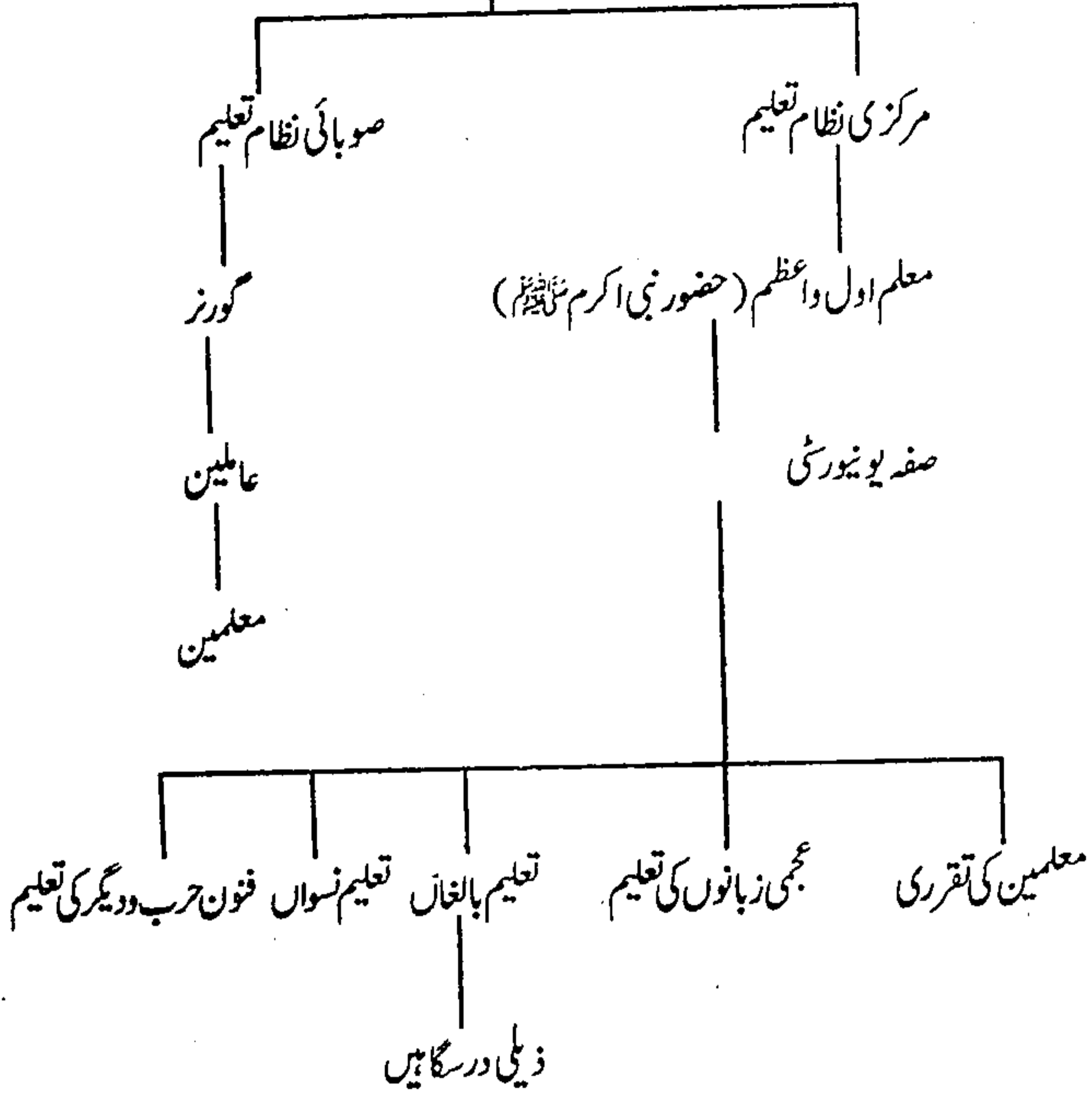
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی ضروریات وتقاضوں کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک جامع، مربوط، منظم، موثر اور انتہائی اعلیٰ اور ارفع نظام تعلیم ترتیب دیا تھا اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ کائنات انسانی کے معلم اعظم اور منتظم اعلیٰ جو ٹھہرے۔

الھمہ صل علی النبیی الطاھر کما تحب و ترضیٰ له

# فصل ہشتم

## عدالتی نظام(Juditial System):۔

کسی بھی معاشرے کے باسی اسی وقت امن وامان اور سکون سے رہ سکتے ہیں جب ان پر ظلم اور ناانصافی نہ کی جائے۔ انکا حق نہ چھینا جائے انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم نہ کیا جائے۔ یہ اسی وقت ہی ممکن ہے جب معاشرہ عدل وانصاف سے مملو ہو۔ عوام کو ہر معاملے میں انصاف مہیا کیا جائے۔
اسلام دین عدل و انصاف ہے۔ اسلام نے صدیوں سے جاری ظلم وستم کو مٹا دیا۔ سالہا سال سے ظلم، تشدد، ناانصافی اور پامالی حقوق کا شکار انسانیت کو عدل وانصاف مہیا کر کے امن وسکون کی چھاؤں عطا کی۔
اسلام کا نظام عدل وانصاف بھی عظم محسن انسانیت، رحمتہ اللعالمین عادل اعظم حضور نبی اکرم ﷺ کا ہی مرہون منت ہے۔ آپ نے عدل وانصاف کی ایسی عظیم اور تاریخی مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک عدل وانصاف کے دعویداروں کے لیے مشعل راہ کا کام دیں گی۔

## قانون ۔۔۔۔۔۔۔ لغوی معنٰی:۔

قانون کا لفظ اعتبار سے " کانون " سے ماخوذ ہے جو کہ ایک یونانی لفظ اور سریانی سے عربی میں داخل ہوا اس کا معنی "سیدھی سلاخ" مسطر" یا پیمانہ (foot) کے ہیں بعد میں اسکا اطلاق "قاعدہ" پر ہونے لگا۔

## فقہ اسلامی میں مراد:۔

فقہ اسلامی میں قانون کے لیے شرع، شریعت، تشریع یا حکم شرعی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (انسان کامل:341)
سلطنت عثمانیہ میں لفظ قانون کا اطلاق اکثر ان سرکاری احکامات پر ہوتا تھا جو حکومت جاری کرتی تھی تا کہ احکام شرع سے انکی تمیز ہو سکے۔

## اسلامی نقطہ نظر سے قانون کا مطلب:۔

اسلامی نقطہ نظر سے "اللہ جل شانہ اور اسکے رسول کی رہنمائی سے متعین کردہ اصول و

ضوابط کا نام قانون ہے۔اسلام میں قانون کی پاسداری کے لیے قائم شدہ ادارہ عدلیہ کہلاتا ہے اور قانون کا عدلیہ سے گہرا تعلق ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے عدل وانصاف اور قانون کی بالادستی کے لیے باقاعدہ نظام تشکیل دیا تھا آپ خود قاضی القضاۃ تھے اور آپ نے اپنے دیگر صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو بھی فیصلہ کرنے کے اختیارات سونپ رکھے تھے جیسا کہ پچھلے صفحات میں مذہبی نظام میں ہم تفصیلاً دیکھ چکے ہیں۔

قانون کی ابتداء:۔

قانون دو طرح سے وجود پذیر ہوتا ہے۔

(۱) نامعلوم زمانے سے رسوم ورواج کی صورت میں کسی قاعدہ قانون کا چلا آنا جسکے بنانے والے کے معاملے میں ہم بالکل بے خبر ہوں۔

(۲) ایسا قانون جسکا بنانے والا ہمیں معلوم ہوتا ہے۔

اقسام:۔

قانون دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) الٰہی قانون (۲) انسانی قانون

(۱) الٰہی قانون اٹل، غیر متبدل، غیر تغیر پذیر اور مستقل ہوتا ہے یہ وحی الٰہی کی صورت میں رسول پر اترتا ہے

(۲) انسانی قانون میں

(i) کسی پیغمبر کا بنایا ہوا ذاتی قانون جو اس نے اختیار نبوت سے خود تشکیل دیا ہو۔اور

(ii) کسی سربراہ مملکت یا ادارہ یا تنظیم کا قانون شامل ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ بحیثیت مقنن:۔

آپکی جامع واکمل شخصیت کا ایک اہم پہلو آپکا قانون ساز اور مقنن ہونا بھی ہے۔اس دنیا میں وحی الٰہی کا مرکز ومہبط انبیاء کرام ہی تھے۔اس اعتبار سے انبیاء کرام خصوصی مقام ومرتبہ کے حامل تھے۔اللہ سے براہ راست رابطے کی بناء پر اور ذاتی جامعیت، عصمت، شخصیت اور علم لدنی کی بناء پر انبیاء تشریع فرماتے اور یوں وہ قانون ساز کی حیثیت کے حامل بھی ہوتے تھے۔

## قرآن مجید میں آپ ﷺ کی قانون حیثیت کا بیان:۔

قرآن مجید میں واضح الفاظ میں آپکی قانونی حیثیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم و الاغلل التی کانت علیھم۔
(آل عمران :3:157)

وہ ان کو نیک کام کا حکم فرماتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔اور سب پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق (یعنی قیود) جو ان پر (انکی نافرمانیوں کے باعث) لگائے گئے تھے اتار دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے آپکے احکامات نافذ کرنے کی درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں۔

امر بالمعروف
نہی عن المنکر
تحلیل طیبات
تحریم خبائث
وضع اصر

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

فلا وربك لایومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدو افی انفسھم حرجا مماقضیت و یسلمو اتسلیما۔
(النسآء 65:5)

پس (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے ہر اختلاف میں یہ لوگ آپ کو (دل وجان سے) حکم نہ بنائیں۔پھر جو فیصلہ آپ ﷺ کردیں اس سے کسی طرح دل گیر نہ ہوں اور اسے دل سے خوشی خوشی قبول کریں۔

نیز فرمایا

| | |
|---|---|
| و ما اتاکم الرسول فخذوہ و م انہا کم عنہ فانتہوا۔ (الحشر 7:59) | اور جو کچھ رسول ﷺ تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمادیں اس سے رک جاؤ۔ |

یعنی امر و نہی کے جو قوانین تمھیں اس نبی رحمت ﷺ سے ملیں ان پر عمل کرنا تمھارا فرض ہے

آپکی قانونی حیثیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقمطراز ہیں۔

" تشریحی جہت کے اعتبار سے سیرت نبوی قرآن مجید کی شارح ہوتی ہے وہ احکام الہی کے صحیح منشاء مراد کو واضح کرتی ہے اور اسکی تفصیلات و جزئیات متعین کرتی ہے"

مزید لکھتے ہیں۔

"اس سے مراد شریعت اسلامیہ کی وہ تشریع اور حکم سازی ہے جو قرآن مجید سے نہیں بلکہ براہ راست سنت نبوی ﷺ سے عمل میں آئی۔ اسلام میں بہت سے ایسے شرعی احکام ہیں جو قرآن مجید میں نہیں آئے وہ حضور نے خود ارشاد فرمائے مثلاً کفارہ صوم، مردوں کے لیے سونے اور ریشم کی حرمت وغیرہ۔ ان احکام شرعی کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

**(۱) تشریع جنائی:۔**

وہ احکام شرعی جو اصلاً قرآن مجید میں مذکور نہ تھے اور انکی تشریع براہ راست سنت نبوی سے ہوئی مثلاً حد شراب ۸۰ کوڑے، حد رجم، حد ارتداد۔

**تشریع تسبب:۔**

وہ حکم جو کسی دیگر قانونی فعل کے سبب سے وجود میں آیا مگر اسکی تشریع بھی سنت سے ہوئی مثلاً قاتل کا مقتول کی وراثت سے محروم ہونا۔

**(۳) تشریع کفارہ:۔**

اسکی مثال کفارہ صوم ہے، ساٹھ مسلسل روزے یا ساٹھ مساکین کا کھانا

**(۴) تشریع نہی:۔**

بعض اشیاء و اعمال کا براہ راست حرام ٹھرایا جانا مثلاً مردوں کے لیے ریشم اور سونے

کے زیور وغیرہ۔

(۵) تشریع شہادات:۔

مقدمات میں عدالتی ضابط حیات اور شہادت کے قوانین مثلاً (البینة علی المدعی والیمین علی من انکر)"۔ (مقدمہ سیرت الرسول: 27-125)

اس طرح آپ چونکہ خود قاضی القضاۃ بھی تھے اور مقنن بھی لہذ آپ نے اسلام کا ایسا نظام عدل و انصاف قائم فرمایا کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھے۔

عدل وانصاف کے بول بالا کے لیے آپ نے قانون عدل وانصاف کے درج ذیل مآخذ اسلامی عطا فرمائے جو حدیث معاذ سے واضح ہوتے ہیں۔

جب آپ حضرت معاذ کو یمن روانہ فرماتے رہے تھے تو ان سے دریافت کیا کہ "جب کوئی معاملہ تیرے سامنے آئے گا تو کس طرح سے اس میں فیصلہ کریگا؟" عرض کیا" کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرونگا" فرمایا" اگر کتاب اللہ میں اس بات کو نہ پائے؟" عرض کیا" رسول اللہ کی سنت کے موافق فیصلہ کرونگا" فرمایا اگر سنت میں بھی وہ بات نہ پائے؟" عرض کیا" پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ یہ سن کر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا" تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے صحابی کو اس بات کی توفیق دی کہ راضی ہو اللہ کا رسول"۔ (ابوداؤد کتاب القضایا: 149/2)

اس حدیث مبارکہ سے قرآن، سنت اور اجتہاد مآخذ قانون کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ بعد میں قرآن وسنت اور اجتہاد کی روشنی میں علماء امت نے اجماع کو بھی شامل کرلیا۔

نبوی نظام عدل کی خصوصیات:۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جو نظام عدل وانصاف قائم فرمایا وہ بلاشبہ تمام دنیا کے نظام ہائے عدل سے بہترین اعلیٰ وارفع تھا اس نظام کی چیدہ چیدہ خصوصیات یہ تھیں۔

(۱) عدل وانصاف پر مبنی وحی الٰہی اور سنت نبوی کے مطابق نظام

(۲) انفرادی واجتماعی حقوق کی ضمانت

(۳) قانون مساوات وبرابری

(۴) آسان، سستا (بلکہ بے قیمت) اور فوری انصاف

(۵) عادلانہ وغیر جانبدرانہ انصاف۔

(٦) نظام شہادت (گواہی کا نظام)

اس طرح آپ ﷺ نے ایسا قانون عدل وانصاف کا نظام دیا کہ ریاست امن وامان، فلاح اور انصاف کا گہوارہ بن گئی۔

بقول ڈاکٹر حمید اللہ

"رسول اللہ کے مدینہ تشریف آوری کے بعد جب شہری مملکت قائم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسکا دستور مدون فرمایا اور دنیا کا یہ پہلا دستور تحریری طور پر منضبط کر کے نافذ کیا۔ اسمیں ایک عجیب و غریب حکم دیا گیا جسے انقلابی نوعیت کا کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ انصاف بجائے انفرادی کے مرکزی شے ہوگی یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچا ہے تو وہ براہ راست مجرم کو سزا نہیں دے گا بلکہ مرکزی عدالت سے رجوع کریگا۔۔۔۔۔ کسی ظالم کی حمایت کا حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا چاہے اسکا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔ انصاف ایک خدائی حکم ہے لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ انصاف کے لیے پورا تعاون کرے اور کسی ظالم کو نہ بچائے چاہے اسکا بیٹا ہی کیوں نہ ہو"۔ (خطبات بہاولپور: 342-45)

مزید لکھتے ہیں کہ

"ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی حد تک ایک انقلابی حکم دیا گیا۔ اور انصاف جو وہاں انفرادی کام تھا اسکو ایک مرکزی اور حکومتی چیز قرار دیا گیا اسکے بعد مدینے میں دو نئے ادارے "انسٹی ٹیوشن" قائم ہوتے اور ترقی کرتے نظر آتے ہیں جو بعد میں سارے ملک میں پھیل جاتے ہیں ایک مفتی کا انسٹی ٹیوشن ہے اور ایک قاضی کا۔۔۔۔۔۔۔ عہد نبوی میں صوبہ جات و اضلاع (مثلاً یمن) میں قاضی بھیجے جاتے تھے اور انکے متعلق بعض تفصیلیں بھی ملتی ہیں مثلاً ابو موسیٰ اشعری کو جب قاضی بنایا گیا تھا تو انکا تقرر نامہ ہم تک پہنچا ہے۔ (خطبات بہاولپور: 342-45)

اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ عدالتوں اور قاضیوں کے تقرر کا ایک باقاعدہ نیا نظام آپ ﷺ نے دیا جسکی بنیاد یا مثال جاہلیت میں نہیں ملتی یوں ایک "منتظم اعلیٰ" نے اپنی اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیتوں کی بناء پر ایسا نظام عدل و انصاف قائم فرمایا کہ معاشرہ جنت نظیر بن گیا اور اس نظام سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عادل پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

# فصل نہم

## عائلی نظام(Family System):۔

عموماً کاروباری حضرات یا صاحب حکومت لوگ آج کے دور میں بہت زیادہ مصروفیت کے حامل ہوتے ہیں اور ادھر ملازمت کرنے والے افراد بھی اپنے فرائض تندہی سے انجام دیں تو مصروفیت کافی ہوتی ہے۔

ایک ایسا فرد جسکا کام پوری دنیا کے لوگوں تک پیغام پہنچانا ہو اور انہیں اپنے نظریات کا قائل کرنا ہو اور وقت بھی اس کے پاس محدود ہو تو اسکی مشغولیت اور مصروفیت کا اندازہ لگالیں۔ان حالات میں وہ اپنے خاندان اور گھر والوں کو نہ صرف وقت دے بلکہ مکمل پیار، محبت، قربت اور توجہ دے تو یہ اس شخص کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا پیش خیمہ نہیں تو اور کیا ہے۔؟

حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن مجید نے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ فرما کر ہر پہلوئے زندگی کا احاطہ کر دیا ہے۔چنانچہ شب و روز، عبادت و ریاضت، دعوت و تبلیغ، مسائل و انتظام سلطنت، دفاع مملکت اور اس جیسے بیسیوں امور کے باوجود آپ نے جو عائلی نظام قائم فرمایا اس کی مثال اس وقت کے معاشرے میں تو تھی ہی نہیں ابھی تک کسی فرد بشر سے ایسی مثال کا ملنا ناممکن ہے۔بلکہ ایک شخص بیک وقت حکمران، قاضی، مبلغ، مربی، تاجر، سپہ سالار اور مصلح ہوتے ہوئے گھر کو بھی پورا وقت دے سکے یہ ناممکن ہے مگر اس ناممکن کو اس منتظم اعلیٰ نے اپنے حسن انتظام سے نہ صرف ممکن بنادیا بلکہ دنیا کے لیے اعلیٰ نمونہ قائم کر دیا۔آپ کے عائلی نظام کے حوالے سے چند باتیں درج ذیل ہیں۔

### والدین کا مقام:۔

اگر چہ حضور نبی اکرم ﷺ کو والدین کی خدمت کا موقع نہ مل سکا لیکن آپ نے والدین کے حقوق و فرائض بیان فرما کر عائلی زندگی میں ان کے مقام و مرتبہ کو واضح فرمادیا۔قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر والدین سے حسن سلوک اور ان کے مقام کی نشاندہی کی گئی ہے مثلاً ملاحظہ ہوں آیات بنی اسرائیل ۱۷:۲۴، النساء۴:۳۶، البقرہ۲:۲۱۵ وغیرہ۔

آپ کے رضائی والدہ اور بہن سے حسن سلوک کے بارے میں ہمیں مثال ملتی ہے۔
آپ نے مختلف مواقع پر والدین کے مقام کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عن عبد الله ابن عمر قال قال رسول الله رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔ (الترمذی :12/2)

آپ نے فرمایا رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے

اسی طرح فرمایا

عن المغیرہ قال قال رسول الله ان الله حرم علیکم عقوق الامهات و منع وهات و واد البنات۔ (بخاری :884/2)

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، حقدار کا حق نہ دینا اور بیٹوں کو زندہ گاڑنا حرام قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں آپ کے بیسیوں ارشادات موجود ہیں جس میں سے والدین کی خاندان میں مرکزی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح آپ نے والدین کو گھر کا منتظم اعلیٰ و سربراہ قرار دیکر گھر میں نظم وضبط کے قیام کو ممکن بنایا ہے۔

## مثالی شوہر:۔

بحیثیت شوہر ایک سے زائد نکاح کرنے کے باوجود ایک منظم اور مثالی گھریلو زندگی گزار کر آپ نے دنیا کو گھر میں نظم وضبط، سلوک، پیار، محبت اور ایک دوسرے کے حقوق بطریق احسن پورے کرنے کا عملی نمونہ عطا فرمایا۔ اس سلسلے میں درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔

## حقوق کی ادائیگی:۔

آپ کی ایک سے زائد بیویاں تھیں ایسے میں ان سب کے درمیان عدل وتوازن اور حقوق کا لحاظ آپکی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت نہیں تو کیا ہے؟ ہر بیوی کو اسکا وقار، عزت، احترام دینا اس کے جملہ حقوق کی پاسداری کرنا اور اس بارے میں مسلمانوں کو بھی حکم

دینا آپ کے معمولات میں سے تھا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا و خیارهم خیارهم لنسائهم۔ (مسند امام حنبل :250/2)

مومنین میں ایمان میں زیادہ کامل وہ ہے جو سب سے زیادہ حسن اخلاق والا ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے۔

چنانچہ آپ نے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کا شاندار معیار قائم فرمایا۔ اپنی بیویوں کے ساتھ آپ جس طرح تعلق رکھتے تھے اسکا اندازہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں بھری پڑی روایات سے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان یسئال فی مرضه الذی مات فیه این انا غدا یرید یوم عائشة فاذن له ازواجه یکون حیث شاء فکان فی بیت عائشة حتی مات عندها۔ (بخاری :785/2)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ مرض الموت میں بیویوں سے پوچھتے تھے کہ میں کل کہاں قیام کروں گا مراد یہ تھی کہ عائشہ کا دن کب ہوگا اس پر آپکی تمام بیویوں نے اجازت دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں آپ نے میرے پاس قیام فرمایا اور میرے ہی پاس آپکا انتقال ہوا۔

اسی حدیث سے آپ اندازہ لگالیں کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے حقوق کا کس قدر خیال فرماتے تھے کہ انتہائی تکلیف اور شدت مرض میں بھی آپ کو نظم وضبط اور عدل کا پورا خیال تھا۔ (سبحان اللہ)

## باری کا تقرر:۔

آپ کا معمول مبارک تھا کہ ہر روز تمام ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جاتے تھے ایک ایک کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے جب ان کا گھر آتا جنکی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے۔ (زادالمعاد:152/1)

چنانچہ ایک مقررہ وقت تمام ازواج کے گھر قیام اور پھر آخر میں ایک ترتیب کے ساتھ تمام گھروں سے ہوتے ہوئے جس زوجہ کے گھر رات گذارنی ہوتی وہیں تشریف لے جانا ایک نظم نہیں تو اور کیا ہے۔

## قرعہ اندازی:۔

آپ جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تا کہ کسی کا دل نہ دکھے اور حق تلفی بھی نہ ہو۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

و کان اذا اراد سفرا اقرع بین نسائه۔ (زاد المعاد :52/1)

جب رسول اللہ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے مابین قرعہ اندازی فرماتے۔

اس طرح قرعہ اندازی کے ذریعے متوقع ناراضگی و بدمزگی کا قلع قمع ہو جاتا اور گھر کا ماحول خوشگوار رہتا۔

## تقسیم اوقات:۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ

کان رسول ﷺ یقسم بین نسائه فیعدل ثم یقول اللهم هذا فعلی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك و لا املك۔(النسائی :94/2)

رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں میں وقت کی تقسیم کرتے تھے اور پھر عدل سے کام لیتے تھے (یعنی جسکا وقت ہوتا اسی کو ہی دیتے) پھر فرماتے اے اللہ یہ میرا کام ہے اس امر میں جسکا میں مالک ہوں جس امر کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس بارے میں مجھے ملامت نہ فرمانا۔

سبحان اللہ! اس نظم و عدل کی مثال کہاں ملے گی۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف

لاتے تو اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔

(۱) ایک حصہ اللہ تعالی کی عبادت میں خرچ کرتے تھے۔

(۲) دوسرا حصہ گھر والوں کے لیے رکھتے تھے

(۳) تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات اور راحت و آرام کے لیے رکھتے پھر اسے دو حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔

(۱) خصوصی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کے لیے

(۲) آرام و استراحت کے لیے۔ (شمائل ترمذی (اردو عربی): 344)

اس سے آپ اندازہ لگالیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کس طرح Managed اور Disciplined تھی بلاشبہ آپ ایک منتظم اعلی تھے۔

امور خانگی کی تنظیم:۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کم وبیش نو ازواج تھیں۔ان میں سے بعض ناز و نعم سے پلی تھیں اور اکثر معزز خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔آپ نے اپنے حسن انتظام سے تمام کی تمام کو مساوی حقوق دیئے ازواج مطہرات کے آسائشیں طلب کرنے کے نتیجہ میں ایلاء کرلیا کیونکہ آپ نے تمام دنیا کے لیے نمونہ چھوڑنا تھا اور لوگوں کو یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ "چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ" زہد، صبر قناعت اور شکر کی تعلیم دی فضول خرچی اسراف اور تبذیر سے منع فرمایا۔

آپ کو تمام ازواج سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زیادہ محبوب تھیں لیکن آپ نے ان پر لباس، زیورات، آسائشات یا تحائف سے یہ محبت کبھی ظاہر نہ فرمائی۔ جو تمام بیویاں پہنتیں وہی حضرت عائشہ پہنتی تھیں چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

ما کان لاحد لنا الا ثوب واحد۔ ہم تمام بیویوں کے پاس ایک جوڑا تھا

(ابو دائود: 58/1) (یا ایک ہی طرح کے کپڑے تھے)۔

چنانچہ آپ ہمیشہ پر تکلف لباس اور کھانوں سے ازواج مطہرات کو منع فرماتے تھے لیکن اس کے باوجود گھریلو انتظام و انصرام کا خیال رکھتے تھے آپ کا طریقہ مبارک تھا جو کچھ آتا اسے تقسیم کر کے اٹھتے۔ازواج مطہرات اور مہمانوں کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی

ذمہ داری لگائی ہوئی تھی۔(ابوداؤد:78/2 کتاب الخراج)

ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق عبداللہ ہوزنی نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی انتظامات کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا کہ آنحضرت کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا۔ معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپکی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا میں جا کر کہیں سے قرض لاتا اور اسکے کھانے پینے کا انتظام کرتا۔(ابوداؤد کتاب الخراج:77/2)

آپ نے ازواج مطہرات کے لیے بنونضیر کے نخلستان میں حصہ مقرر فرمادیا تھا۔(ایضاً:56/2)

خیبر فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا حصہ فی کس ۸۰ وسق کھجور اور بیس وسق جو مقرر ہوگیا۔ مسلم کی ایک روایت کے مطابق

عن نافع عن ابن عمر قال اعطی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خیبر بشطر مایخرج منها من ثمرة او زرع مكان يعطى ازواجه كل سنة مائة وسق ثمانين وسقا من تمر و عشرين وسقا من شعير۔(صحیح مسلم کتاب المسافاة :14/2)

نافع نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے غلہ اور پھل کی آدھی پیداوار پر معاملہ کیا تو اس میں سے آپ بیویوں کو سو وسق دیتے تھے اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو دیتے تھے۔

اس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ گھر کے انتظام وانصرام کے حوالے سے آپ کس قدر توجہ فرماتے تھے اور خیال رکھتے تھے۔ یہ تو آپ کے گھر کے انتظام وانصرام کی بات تھی آپ کے گھر والوں کے ساتھ تعلقات اور رویہ کس قدر شفقت بھرا تھا یہ تو آپ کے رحمۃ العالمین کے وصف ہی سے ظاہر ہے۔

# حاصلات

آپ ﷺ کی ذات کے بطور منتظم اعلیٰ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

(1) نظم وضبط انسانی زندگی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے سارے کا سارا نظام قدرت ایک منظم ومربوط نظام میں پرو دیا گیا ہے۔نظام کائنات اور سیرت نبوی ﷺ سے ہمیں نظم وضبط کا سبق اور بے مثال نمونہ ملتا ہے۔عالم انسانیت کی تنظیم وہدایت کے لیے اللہ تعالی نے زمین میں انبیاء کرام کی شکل میں منتظمین وخلفاء بھیجے اسی سلسلے کے آخری "منتظم اعلیٰ" حضور نبی اکرم جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔

(2) حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت ہمہ جہت، جامع واکمل اور منظم شخصیت ہے۔

(3) آپ ﷺ سے پہلے تقریباً تمام عالم ارضی ظلم وجبر، جور واستبداد، تشت وافتراق، جہالت، بے مقصدیت، بے راہ روی اور بد نظمی کے خونی پنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔

(4) حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ زندگی کے صحرائے پر خار میں زخم خوردہ اور سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے ٹھنڈی خوشگوار ہوا کے جھونکے کی مانند ثابت ہوئی جس نے انسانیت کو بدنظمی وبد انتظامی کے لگائے ہوئے زخموں کے لیے مرہم کا کام دیا۔

(5) بچپن وابتداء بلوغت ہی سے آپ کی ذات مبارکہ میں نظم وضبط جھلکنا شروع ہو گیا۔تنصیب حجر اسود، دوسرا سفر شام اور آپ کی ظاہری شخصیت مبارکہ آپ ﷺ کے حسن نظم وانتظام کی ما قبل بعثت منہ بولتی تصویریں ہیں۔

(6) بعثت کے بعد ایک منظم دعوت کا سلسلہ، سفارتی ودعوتی نظام اور ہجرت مدینہ نظم وانتظام کی شاندار مثالیں ہیں۔

(7) مدنی زندگی میں قدم رکھتے ہی ایک نو مولود سلطنت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا، رہائشی، معاشی و اقتصادی اور دعوتی وتبلیغی کام کے ساتھ ساتھ ایک فلاحی ریاست کا قیام بلاشبہ آپ کا حسن تدبر اور حکمت وانتظام ہی تھا کہ ریاست مدینہ کو وقت کی سپر پاورز کے سامنے لا کھڑا کیا۔

(8) مدنی زندگی میں نظم وضبط اور حسن انتظام کی چند جھلکیاں یہ ہیں۔

(۱)ابتدائی انتظام وانصرام (مواخات، معاہدات، رہائشی انتظامات، صفہ کا قیام، خودمختار حکومت کا قیام، ریاست کی انتظامی تقسیم، عمال وولاۃ کا تقرر، وفاق کا قیام، عسکری ونگ کا قیام)

(۲)مذہبی نظام (دعوتی وتبلیغی وفود، ائمہ وموذنین کا تقرر، نظام افتاء ووزارت کا حج کا قیام)

(۳)سفارتی نظام (میثاق مدینہ کی سفارتی اہمیت، سفارتی حکمت عملی، صلح حدیبیہ، قبائل سے معاہدات، سفارتی وفود)

(۴)ریاست کا شہری انتظام و انصرام (مرکزی شہری نظام، خلفاء، مشیران، سیکرٹریز، ترجمان رسالت، سفراء، مختلف کاموں کے افسر، گورنرز، عمال و مقامی سطح کے منتظمین اور قضاۃ کا تقرر، صوبائی نظام حکومت)

(۵)دفاعی نظام (فوجی تنظیم، جنگی حکمت عملی، سالار وامراء کا تقرر، اطلاعی دستے، علمبردار، جاسوسی کا نظام، گائیڈز، مختلف دفاعی محکمہ جات کے افسر، فوجی کی ساخت اور طریق جنگ)

(۶)مالی نظام

(۷)عدالتی نظام

(۸)تعلیمی نظام

(۹)عائلی نظام

## الحاصل

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ایک منظم ومربوط زندگی ہے اور سیرت طیبہ کے مطالعے سے آپ ﷺ کی شخصیت بلاشبہ ایک مدبر، حکیم، قانون ساز، معلم اور منتظم کی شخصیت کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ کے حسن انتظام کو دیکھ کر بلاشبہ ایک منتظم اعلیٰ کی شخصیت نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے جس نے قلیل عرصے میں تہذیب سے عاری قوم کو ایسا مہذب بنایا کہ وہ دنیا کو تہذیب سکھانے والے بن گئے۔ اپنے اپنے قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے ملت واحدہ بن گئے۔ حکومت وریاست سے ناواقف دنیا کے حکمران بن گئے۔ بکھری ہوئی باہم دست و گریباں قوم ایسی منظم ہوئی کہ دنیا کے منصب امارت پر فائز ہوگئی۔ بلاریب یہ سارے کا سارا

کرشمہ اور کمال اسی "منتظم اعلیٰ" کا ہے جسکا نام حضرت محمد ﷺ ہے۔

سفارشات:۔

(1) حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ جو قرآن کی عملی تفسیر ہے سے ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی لینے کی ضرورت ہے۔

(2) دنیائے اسلام بالعموم اور پاکستان بالخصوص بدنظمی و بدانتظامی کا شکار ہے۔ سیرت کا بطور نظام حیات مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔

(3) کسی بھی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی اور انتظام انصرام کی ضرورت ہوتی ہے اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی منظم شخصیت اور سیرت طیبہ کو انتظامی تناظر میں سامنے رکھ کر ملکی وملی منصوبہ جات کو بطریق احسن مکمل کیا جائے۔

(4) ملکی وقومی مفادات کے منصوبہ جات کو مکمل کرنے کے لیے اولین ترجیح دی جائے اور اس سلسلے میں ہر حوالے سے مکمل انتظام وانصرام کیا جائے جو قرآن وسنت کی روشنی میں سیرت طیبہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے بطور "منتظم اعلیٰ ریاست مدینہ" اخذ کیا جاسکتا ہے۔

(5) کسی بھی ریاست کے شہری امن وسکون سے تب زندگی بسر کرسکتے ہیں جب ان کی جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ ہوں اس کے لیے عدل وانصاف کے نظام کا ہر کسی کے لیے یکساں ہونا اور گھر کی دہلیز پر ملنا ضروری ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے اسلام کا عادلانہ نظام لیکر اس اہم مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔

(6) ملکی دفاع کو ہر حوالے سے مضبوط کرنا اور دشمن کے ارادوں سے باخبر رہنا کسی بھی منتظم ریاست کے لیے از حد ضروری ہوتا ہے۔ ملت اسلامیہ بالعموم اور پاکستان بالخصوص دور نبوی کے دفاعی نظام کی روشنی میں اپنی عسکری ودفاعی صلاحیت مضبوط ومستحکم بنائیں۔

(7) دور حاضر میں روٹی، کپڑا اور مکان جیسے بنیادی مسائل کم وبیش ہر حکومت کا دردسر رہے ہیں۔ منتظم اعلیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے مواخات اور معاشرتی نظام سے رہنمائی لیکر ان کا بہتر حل مہیا ہوسکتا ہے۔

(8) ہر قسم کے انفرادی واجتماعی، معاشی ومعاشرتی، ملکی وقومی مسائل کا حل منظم شکل میں منتظم اعلیٰ

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ سے مختلف نظام ہائے حیات کی شکل میں سب کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ

اب جس کے جی میں آئے وہ پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سرِعام رکھ دیا

اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص اور حضور نبیءِ اکرم ﷺ کی رحمت بے پایاں کے طفیل یہ علمی اور تحقیقی کاوش اپنے اختتام کو پہنچی۔ اس میں ہر قسم کی خوبی اور تحسین کی نسبت صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے خاص کرم و احسان، حضور تاجدار کائنات ﷺ کی رحمتِ خاصہ اور میرے اساتذہ و والدین کی تعلیم و تربیت کی طرف کیجیے گا، جب کہ کوئی کمی کوتاہی پائیں تو اسے مجھ ناچیز کی کم علمی و کم فہمی سے منسوب کر کے معاف فرما کر اصلاح کر دیجیے گا۔ اللہ جل شانہ کے حضور حمد و ثنا اور عجز و انکسار کے گلدستے پیش کرتا ہوں اور حضور سرور عالمین کی بارگاہ میں درود و سلاموں کے گجرے پیش کر کے اس کاوش کی قبولیت کا امیدوار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو جمیع امت مسلمہ کے لیے بالخصوص اور جمیع انسانیت کے لیے بالعموم فائدہ مند اور نفع بخش بنائے۔ آمین۔ ناچیز آپ کی پرخلوص دعاؤں کا تاحینِ حیات اور بعد الممات امیدوار اور منتظر رہے گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاک پائے علماء و محققین
محمد الیاس شاہ ہاشمی بن ڈاکٹر رضا محمد شاہ ہاشمی
A-112/19 ہاشمی ہاؤس، جیل روڈ میاں والی، پنجاب، پاکستان
جولائی ۲۰۰۸ء

## کامیاب منتظم کیسے بنیں؟

سیدانورشاہ کاظمی نے کامیاب منتظم بننے کے چار اصول بیان کیے ہیں۔

1۔نظم وضبط پرسختی سے عمل پیرا ہونا۔

2۔بہترین اخلاق کا حامل ہونا۔

3۔اپنی ذمہ داریوں کا خاص خیال رکھنا۔

4۔ایسی تراکیب کا خاص خیال رکھنا جن میں کم سے کم وقت میں اور کم سے کم جسمانی طاقت اور وسائل کو استعمال کرنے سے کارکردگی بہتر سے بہترین بنائی جاسکے۔

اور میرے نزدیک مذکورہ بالا اصولوں میں سب سے اہم پہلے دو اصول ہیں۔اس کے علاوہ میں مزید دو کا اس میں اضافہ کروں گا۔

5۔'جو کہو وہ کرو' کے اصول پر عمل پیرا ہونا اور

6۔عدل وانصاف اور مساوات اپنانا

ان اصولوں پر عمل کرنے سے ان شاءاللہ آپ ایک کامیاب منتظم بن سکتے ہیں۔

'اصول میں سختی اور گفتگو میں نرمی بھی کامیابی کا ایک اصول ہے'

# کتابیات



| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 1 | القرآن المجید<br>(منزل من اللہ) | |
| 2 | المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم<br>(فواد عبدالباقی، محمد) | انتشارات اسلامی ایران |
| 3 | معجم الادوات والضمائر فی القرآن الکریم<br>(اسماعیل احمد عمایرہ، عبدالحمید مصطفی السید) | دار الفکر قم ایران |
| 4 | کنز الایمان (ترجمہ القرآن اردو)<br>(احمد رضا خان، اعلیٰ حضرت، امام) | ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور |
| 5 | عرفان القرآن (ترجمہ القرآن اردو)<br>(طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر) | منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء |
| 6 | فیوض القرآن (ترجمہ القرآن اردو)<br>(حامد حسن بلگرامی، سید، ڈاکٹر) | ایچ، ایم سعید کمپنی کراچی 1983ء |
| 7 | بیان القرآن (ترجمہ القرآن)<br>(احمد سعید کاظمی، علامہ، سید) | کاظمی پبلی کیشنز ملتان 1987ء |
| 8 | تفسیر منہاج القرآن (البقرہ) اردو<br>(طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر) | منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور |
| 9 | تفسیر الحسنات (اردو)<br>(محمد احمد قادری، ابوالحسنات، سید) | ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1995ء |
| 10 | صحیح بخاری<br>(محمد بن اسماعیل بخاری، امام، ابوعبداللہ) | قدیمی کتب خانہ کراچی 1381ھ |
| 11 | عینی شرح بخاری<br>(بدرالدین العینی، علامہ) | ادارہ الطباع المنیر یہ 1348ھ |
| 12 | صحیح مسلم<br>(مسلم بن الحجاج قشیری، امام) | قدیمی کتب خانہ کراچی 1375ھ |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 13 | جامع الترمذی<br>(محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی، امام) | فاروقی کتب خانہ ملتان 1991ء |
| 14 | الجامع الصحیح سنن الترمذی<br>(محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی، امام) | داراحیاء التراث العربی بیروت |
| 15 | سنن ابی داؤد<br>(سلیمان بن الاشعث بجستانی، ابوداؤد) | مکتبہ امدادیہ ملتان 1316ھ |
| 16 | سنن النسائی<br>(احمد بن شعیب بن علی بن بحر، النسائی) | قدیمی کتب خانہ کراچی |
| 17 | سنن ابی ماجہ<br>(محمد بن یزید، ابن ماجہ) | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی |
| 18 | مسند الامام احمد بن حنبل<br>(احمد بن حنبل، امام) | دارالفکر مکتب الاسلامی بیروت 1978ء |
| 19 | المسند ابن حنبل<br>(احمد بن حنبل، امام) | دارالمعارف مصر 1972ء |
| 20 | المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی<br>(أ۔ی۔ ونسنک، الدکتور) | مطبعہ بریدفی مدینۃ لیدن 1943ء |
| 21 | شمائل ترمذی<br>(محمد بن عیسی الترمذی، مترجم محمد زکریا، مولانا) | مکتبہ رحمانیہ لاہور |
| 22 | شمائل الرسول<br>(یوسف بن اسماعیل نبہانی) | تصوف فاؤنڈیشن اسلام آباد 1994ء |
| 23 | السیرۃ النبویہ لابن ہشام<br>(ابن ہشام، محمد) | داراحیاء التراث العربی بیروت |
| 24 | السیرۃ النبویہ لابن ہشام (تحقیق وشرح)<br>(مصطفی الشقاء ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی) | مصطفی البانی الطبی واولادہ مصر 1936ء |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 25 | السیرۃ النبویہ لابن کثیر (اسماعیل ابن کثیر ابی الفداء، امام) | دار المعرفہ للطباعۃ والنشر بیروت |
| 26 | الطبقات الکبریٰ لابن سعد (محمد بن سعد، ابو عبداللہ، علامہ) | دار بیروت للطباعۃ والنشر 1978ء |
| 27 | زاد المعاد فی ھدی خیر العباد (ابن قیم الجوزی، علامہ) | مکتبۃ المنار الاسلامیہ کویت 1985ء |
| 28 | سبل الھدی والرشاد (محمد بن یوسف صالحی، امام) | دار الکتب العلمیہ بیروت 1993ء |
| 29 | البدایہ والنھایۃ (اسماعیل ابن کثیر، الحافظ، امام) | مکتبۃ المعارف بیروت 1978ء |
| 30 | الطبری تاریخ الامم والملوک (محمد بن جریر ابی جعفر، الطبری) | دار القلم بیروت |
| 31 | الکامل فی التاریخ لابن الاثیر (علی بن ابی الکرم محمد بن محمد، ابن الاثیر) | دار صادر بیروت 1979ء |
| 32 | تاریخ دمشق الکبیر (علی بن حسن ھبۃ اللہ، ابن عساکر، الحافظ) | دار المسیرہ بیروت 1974ء |
| 33 | فتوح البلدان (احمد بن یحییٰ، ابو الحسن بلاذری، امام) | دار ابن خلدون اسکندریہ |
| 34 | انساب الاشراف (احمد بن یحییٰ، ابو الحسن بلاذری، امام) | دار المعارف مصر 1959ء |
| 35 | الاسلام والحضارۃ العربیۃ (کرد علی) | دار الکتب المصریہ قاہرہ 1943ء |
| 36 | المبسوط (السرخسی شمس الدین) | مطبعۃ السعادہ قاہرہ 1344ھ |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 37 | الوثائق السیاسیۃ<br>(حمید اللہ، ڈاکٹر) | لجنۃ التالیف مصر 1956ء |
| 38 | فجر الاسلام<br>(احمد امین) | مکتبہ النہضہ المصریہ 1964ء |
| 39 | مقدمہ ابن خلدون<br>(عبدالرحمٰن ابن خلدون، علامہ) | دار الکتب اللبنانی بیروت 1961ء |
| 40 | مقدمہ ابن خلدون (اردو)<br>(عبدالرحمٰن ابن خلدون، علامہ) | نفیس اکیڈمی کراچی 1986ء |
| 41 | مجمع بحار الانوار<br>(طاہر پٹنی، الشیخ محمد) | مطبع نولکشور لکھنو 1283ھ |
| 42 | معجم الصحابہ<br>(عبدالباقی بن قانع، ابی الحسن، الحافظ) | مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، سعودی عرب 1998ء |
| 43 | الاصابہ فی تمییز الصحابۃ<br>(احمد بن علی بن حجر، شہاب الدین) | دار احیاء التراث العربی بیروت 1368ھ |
| 44 | اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ<br>(علی بن محمد، ابن الاثیر، الجزری) | دار الکتب العلمیہ بیروت |
| 45 | طبقات ابن سعد (اردو)<br>(محمد بن سعد، ابو عبداللہ، علامہ) | نفیس اکیڈمی کراچی 1986ء |
| 46 | سیرت النبی کامل، ابن ہشام (اردو)<br>(ابن ہشام، محمد) | ادارہ اسلامیات لاہور 1989ء |
| 47 | تاریخ طبری (اردو)<br>(محمد بن جریر الطبری، علامہ) | نفیس اکیڈمی کراچی 1987ء |
| 48 | سیرت النبی کامل ابن ہشام (اردو)<br>(عبدالجلیل صدیقی، مولانا) | اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی 1985ء |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 49 | ضیاء النبی (محمد کرم شاہ الازہری، پیر) | ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1413ھ |
| 50 | سیرت الرسول (طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر) | منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور 1997ء |
| 51 | سیرت النبی (شبلی نعمانی، علامہ) | الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور 1991ء |
| 52 | رحمۃ للعالمین (سلیمان منصور پوری، قاضی محمد) | الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور 1991ء |
| 53 | حیات محمد اردو (محمد حسین ہیکل) | ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1990ء |
| 54 | سیرت سرور عالم (ابوالاعلیٰ، مودودی) | ادارہ ترجمان القرآن لاہور 1989ء |
| 55 | سرور کونین کی فصاحت (شمس بریلوی، حضرت) | مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی 1985ء |
| 56 | حسنت جمیع خصالہ (طالب الہاشمی) | القمر انٹر پرائزر لاہور 1997ء |
| 57 | انسان کامل (خالد علوی، ڈاکٹر) | الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور 1997ء |
| 58 | بدر سے تبوک تک (عبداللہ قاضی، ڈاکٹر) | مکتبہ قدوسیہ لاہور 1994ء |
| 59 | عہد نبوی میں نظام حکمرانی (حمید اللہ محمد، ڈاکٹر) | اردو اکیڈمی کراچی 1981ء |
| 60 | دربار رسول کے فیصلے (عبداللہ بن محمد فرج المالکی، مترجم عبدالرشید حکیم) | آئینہ ادب لاہور 1986ء |

| مطبع/سن اشاعت | نام کتاب/مصنف/مولف | نمبر شمار |
|---|---|---|
| ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ 1991ء | دور نبوی کا نظام حکومت<br>(عبدالحی کتانی، علامہ، مترجم رضی الدین احمد) | 61 |
| مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور 1978ء | سرور عالم کے سفر مبارک<br>(کلیم آرائیں، محمد) | 62 |
| اسلامک پبلی کیشنز کالاہور 1993ء | محسن انسانیت<br>(نعیم صدیقی) | 63 |
| بک کارنر جہلم | معمولات مصطفیٰ<br>(اکرم مدنی، صوفی، محمد) | 64 |
| مکتبہ دربار شریف فیصل آباد | مسجد نبوی<br>(معراج الاسلام، محمد) | 65 |
| غضنفر اکیڈمی کراچی 1989ء | عہد نبوی کا تعلیمی نظام<br>(یاسین شیخ، محمد) | 66 |
| دار الفرقان راولپنڈی 1996ء | رسول اللہ کا سفارتی نظام<br>(یونس، حافظ، ڈاکٹر، محمد) | 67 |
| مکتبہ مدنیہ لاہور | رسول اللہ میدان جنگ میں<br>(واجد رضوی، سید) | 68 |
| مکتبہ رضوان لاہور 1992ء | جامع الصفات<br>(محمود احمد رضوی، علامہ) | 69 |
| مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور 1987ء | معاشرۃ النبی<br>(متین طارق باغپتی) | 70 |
| ادارہ تعلیمات سیرت سیالکوٹ 1995ء | سیرت مجمع کمالات<br>(عبدالجبار شیخ، پروفیسر، محمد) | 71 |
| مکتبہ تعمیر انسانیت 1989ء | اسوہ حسنہ<br>(شریف قاضی، محمد) | 72 |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 73 | فتح مکہ<br>(محمد احمد باشمیل، مترجم اختر فتح پوری) | نفیس اکیڈمی کراچی 1984ء |
| 74 | محمد بحیثیت عسکری قائد<br>(افضل الرحمٰن) | اسلامک پبلی کیشنز لاہور 1995ء |
| 75 | معمولات نبوی<br>(عبدالرحمٰن جامی، مولانا، عبدالقدوس رومی، مولانا) | ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان 1408ھ |
| 76 | اسلامی نظام تعلیم<br>(ریاست علی ندوی، مولانا، سید) | الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور 1992ء |
| 77 | ہمارا تعلیمی نظام<br>(تقی عثمانی، محمد) | مکتبہ دار العلوم کراچی 1415ھ |
| 78 | مسئلہ خلافت<br>(ابوالکلام آزاد، مولانا) | بساط ادب لاہور 1987ء |
| 79 | مسلمانوں کا نظم مملکت<br>(علیم اللہ صدیقی، مولوی) | دار الاشاعت کراچی 1975ء |
| 80 | خلافت وملوکیت<br>(ابوالاعلیٰ مودودی) | ادارہ ترجمان القرآن 1998ء |
| 81 | اسلامی ریاست<br>(حمید اللہ، ڈاکٹر محمد) | الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور 1992ء |
| 82 | اسلامی نظام حکومت<br>(امیر افضل خان) | قاب لائنز راولپنڈی 1996ء |
| 83 | عہد نبوی کا نظام حکومت<br>(یاسین مظہر صدیقی، پروفیسر) | الفیصل ناشران وتاجران کتب 1995ء |
| 84 | اسلام کا معاشرتی نظام<br>(غلام رسول چوہدری) | علمی کتاب خانہ لاہور |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 85 | تمدن ہند<br>(علی بلگرامی سید) | مقبول اکیڈمی لاہور 1962ء |
| 86 | تمدن عرب<br>(علی بلگرامی سید) | مقبول اکیڈمی لاہور 1962ء |
| 87 | تاریخ وتہذیب عالم<br>(اے مانفرید ترجمہ امیر الدین، تقی حیدر) | نگارشات، میاں چیمبرز لاہور 1992ء |
| 88 | تاریخ اندلس<br>(خلیل الرحمٰن، محمد) | مطبوعہ لاہور |
| 89 | انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر<br>(ابوالحسن ندوی) | مکتبہ اسلام لکھنو |
| 90 | علم التعلیم<br>(سخی محمد، مرزا) | لاہور |
| 91 | علم التعلیم<br>(عبدالسلام چوہدری، پروفیسر) | لاہور |
| 92 | اسلامی ریاست<br>(گوہر الرحمان مولانا) | اسلامک پبلی کیشنز لاہور |
| 93 | نقوش رسول نمبر 4<br>(طفیل، محمد) | ادارہ فروغ اردو لاہور جنوری 1983ء |
| 94 | نقوش رسول نمبر 5<br>(طفیل، محمد) | ادارہ فروغ اردو لاہور دسمبر 1983ء |
| 95 | نقوش رسول نمبر 6<br>(طفیل، محمد) | ادارہ فروغ اردو لاہور دسمبر 1983ء |
| 96 | نقوش رسول نمبر 12<br>(طفیل، محمد) | ادارہ فروغ اردو لاہور جنوری 1985ء |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 97 | اسلامی ریاست<br>(ابوالاعلیٰ، مودودی) | اسلامک پبلی کیشنز لاہور 1996ء |
| 98 | رسول عربی<br>(ابوالکلام آزاد) | مکتبہ عظمت لاہور |
| 99 | رسول اکرم کی حکمت انقلاب<br>(اسعد گیلانی، سید) | ادارہ ترجمان القرآن لاہور 1995ء |
| 100 | تاریخ اندلس<br>(ریاست علی ندوی، سید) | مطبع معارف اعظم گڑھ 1950ء |
| 101 | خطبات بہاولپور<br>(حمید اللہ، ڈاکٹر محمد) | ادارہ تحقیقات اسلامی الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ اسلام آباد 1992ء |
| 102 | مسلمانوں کا نظم مملکت<br>(حسن ابراہیم حسن) | ندوۃ المصنفین دہلی 1947ء |
| 103 | عہد نبوی کی مسلم معیشت میں اموال غنیمت کا تناسب<br>(یاسین مظہر صدیقی ڈاکٹر) | تحقیقات اسلامی علی گڑھ شمارہ 4 اکتوبر، دسمبر 1983ء |
| 104 | مقدمہ سیرت الرسول<br>(طاہر القادری، علامہ، ڈاکٹر محمد) | منہاج القرآن پبلی کیشنز 1996ء |
| 105 | عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں محرکات، مقاصد<br>(یاسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر) | دہلی دسمبر اگست 1982,1987ء |
| 106 | چین وعرب کے تعلقات اور ان کے نتائج<br>(بدر الدین، مولوی) | انجمن ترقی اردو کراچی 1949ء |
| 107 | قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب<br>(ہیرا چند اوجھا) | ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد 1931ء |
| 108 | نظریات سیاسیہ<br>(ڈننگ ولیم ترجمہ تلمذ حسین قاضی) | جامعہ عثمانیہ دکن 1944ء |

| نمبر شمار | نام کتاب / مصنف / مولف | مطبع / سن اشاعت |
|---|---|---|
| 109 | المورد<br>(منیر البعلبکی) | بیروت دار العلم للملایین 1969ء |
| 110 | المنجد | ادارہ الاشاعت کراچی 1975ء |
| 111 | المنجد فی اللغۃ<br>(لویس معلوف) | انتشارات اسماعیلیاں ایران |
| 112 | کتابستان ڈکشنری | کتابستان پبلشنگ کمپنی لاہور |
| 113 | فیروز اللغات اردو جامع | فیروز سنز لاہور |
| 114 | قومی انگریزی اردو لغت<br>(جمیل جالبی ڈاکٹر) | مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1992ء |
| 115 | کرنٹ انگلش ڈکشنری | چوہدری غلام رسول اینڈ سنز لاہور |
| 116 | نظریہ سلطنت<br>(بلنچلی، جے، کے، مترجم تلمیذ حسین) | جامعہ عثمانیہ دکن، 1968ء |
| 117 | Oxford advanced Learners dictionary | Oxford University press1955. |
| 118 | Public Administration<br>Michael .P.Barber | Service Book club 1987 |
| 120 | Public Administration<br>A.R. Tyagi | Naeem Publishers Lahore<br>Ripon Printing press |
| 121 | Priventine Medicine At Work<br>John Gerth N | The Modern library new York |
| 122 | The Decline and fall of the Roman Empire<br>Gibbob Edward | |

| مطبع/سن اشاعت | نام کتاب/مصنف/مولف | نمبر شمار |
|---|---|---|
| Allen & Umwir Ltd.London.1961 | Gettles's History Of political Thought<br>Lawrence.C.Wanlasss | 123 |
| Oxford press 1957 | History Of india<br>Smith V.A | 124 |
| Encyclopaedia Britanica Inc. Chicago | Encyclopaedia Britannica<br>Benton William ed | 125 |
| | Glory of Islam | 126 |
| | Ahmed Amin | 127 |
| | History Of Arabs<br>Hitty.P.K | 128 |
| Oxford press London 1942 | The relations between Arabs and Israelites prior to the first of islam<br>Margolionth D.S | 129 |
| Chiloq & Sylina Chilver London1965 | History Of Mankind (Culture&Scientificment)<br>Luigi Parati | 130 |
| Calcuita | History of india<br>Mukerji | 131 |
| Dec 1996 | Journal of education Research vol.2 no.2<br>Anwar Shah Kazmi | 132 |

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بحیثیت منتظم اعلیٰ
مصنف
محمد الیاس ہاشمی
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز